

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى الْيَوْمَ لِيُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتَابَ الْمُنِيرَ

العقائد الصحيحة



ترجمہ از تصنیف

نبیہ السالکین عبدہ العارفین محی السنہ داعی السبوح علیہ ثانی الألف ثانی

حضرت مولانا درود خان خواجہ حاجی حافظ محمد حسن جان صاحب

مجتہد نقشبندی فاروقی قدس سرہ

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى النَّبِيُّ أَوْ إِلَىٰ الْمُؤْمِنِينَ أَلْفُسُهُمْ

العقائد الصحيحة

ترجمہ از تصنیف

زبدۃ السالکین غمدۃ العارفين محي السنۃ ماحي البدعۃ ثانی الاثنی عشر
حضرت مولانا و مرشدنا خواجہ حاجی حافظ محمد بن جان صاحب
مجددی نقشبندی فاروقی قدس اللہ سرہ

حسب حکم

مالی جناب حضرت بابرکت مولانا و مرشدنا آغا حاجی عبد الحمید جان صاحب
مجددی فاروقی نقشبندی مدظلہ العالی سجادہ نشین درگاہ
شہزادہ سائینداد ضلع حیدرآباد سندھ

ابو محمد محمد دی

حاجی ڈاکٹر عبد القادر جتوئی

رفیق احمد جتوئی

B - 8 صدیق کورٹس

باتھ آفلمینڈ - کراچی

درود فاطمة الزهرا

رضی اللہ عنہا

یہ لا جواب درود ہے فضائل بیان کرنا ممکن نہیں۔ حضرت خاتون جنت سیدہ نساء فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زوجہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منسوب ہے اس درود پاک کو پڑھنے سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ ان گنت ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے قریب تر ہونے کے لیے یہ درود ایک اعلیٰ درجہ ہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مَنْ رُوحُهُ مُحَرَّابُ الْأَرْوَاحِ وَ
 الْمَلَائِكَةِ وَالْحَكُونِ ۝ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مَنْ هُوَ
 إِمَامُ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ ۝ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مَنْ
 هُوَ إِمَامُ أَهْلِ الْجَنَّةِ عِبَادِ اللَّهِ الْمُؤْمِنِينَ ۝

فہرست

مضمون

۷

صفحہ

نمبر

۱	تعارف	۱۷
۲	دیباچہ	۱۹
۳	توحید	۲۸
۴	منصب رسالت	۲۲
۵	امت محمدیہ کا ۷۳ فرقہ بننا	۲۶
۶	قرآن مجید میں حقیقت و مجاز کا بیان	۴۰
۷	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل ہونا	۴۷
۸	ایصال ثواب	۵۸
۹	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت و بشریت	۶۲
۱۰	غیر اللہ کی تعظیم	۶۷
۱۱	مردوں کا سنتا	۷۰
۱۲	بارگاہ الہی میں وسیلہ لینا	۷۲
۱۳	غائب کو بلانا	۷۵
۱۴	صالحین کے مقبروں کی زیارت	۷۸
۱۵	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شفاعت کرنا	۸۵
۱۶	مزارات اولیاء پر عرض	۸۷
۱۷	مسئلہ اولاد النبی	۸۹
۱۸	نماز میں حضور علیہ السلام	۹۲
۱۹	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی سات تعظیمی لفظ "سیدنا-برصا"	۹۴
۲۰	خدا تعالیٰ سے کسی مخلوق کو شریک کرنا	۹۵
۲۱	معاذ اللہ، خدا تعالیٰ کا جھوٹ بولنا	۹۷
۲۲	اولیاء اللہ سے امداد طلب کرنا	۹۸
۲۳	پجڑوں کے نام، انبیاء و اولیاء سے منسوب کرنا	

تعارف

جانب کا سلسلہ جو ۲۷ پشتوں سے خلیفہ ثانی حضرت عسمر
ابن الخطاب رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی
قدس اللہ سرہ (جنکی پیدائش ۲۲ پشت میں ہوئی) سے لیکر حضرت خواجہ عبدالحمید
مدظلہ العالی تک نیچے دیا گیا ہے۔ جس میں محترم حضرت صاحب کے بڑے صاحبزادے
کا نام نمبر دار لکھا ہوا ہے۔

تاریخ وصال	نام	قیوم رحمانی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرسبز
۱۰۲۷ھ	سر سبز شاہ	قیوم ثانی حضرت خواجہ محمد معصوم (۱) (اول) عمروۃ الوثقی
۱۰۷۹ھ	سر سبز شاہ	قیوم زمان حضرت خواجہ محمد صبغة اللہ
۱۱۲۲ھ	سر سبز شاہ	قدوة العالمین حضرت خواجہ محمد اسماعیل شہید
۱۱۶۶ھ	سر سبز شاہ	غوث الاعوان حضرت خواجہ غلام محمد معصوم ثانی
۱۱۷۸ھ	پشاور	قدوة الاولیاء حضرت شاہ غلام محمد
۱۲۰۲ھ	پشاور	قدوة العارفين حضرت شاہ غلام حسن پشاور
۱۲۲۶ھ	قندھار	قیوم جہاں حضرت شاہ غلام نبی قندھاری
۱۲۳۸ھ	پشاور	قطب زمان حضرت شاہ فضل اللہ
۱۲۷۱ھ	پشاور	قدوة السالکین حضرت شاہ عبدالقیوم
۱۳۱۵ھ	گجرات	مرکز الاولیاء حضرت خواجہ عبدالرحمان جان

مزار شریف
گنجوہ (کراچی) آباد
(سندھ)

تذکرہ وصال
۱۲۶۵ھ
رجب

زبدۃ السالکین حضرت خواجہ محمد حسن جان ثانی الافغانی
قطب الاقطاب حضرت خواجہ عبدالقدیر جان المعروف

۳ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ

حضرت شاہ آغا

۱۲۹۶ھ شعبان

امام العارفین حضرت خواجہ غلام علی جان

حضرت خواجہ حاجی عبدالحمید جان منظرہ العالی اس وقت مسند نشین

ہیں۔ آپ کے بڑے صاحبزادے خواجہ حاجی عبدالوحید جان مورد کے دینی مدرسہ
میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

نوٹ ۱۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے وصال کے بعد آپ

کی اولاد اجماد پہلی سے چوتھی پشت تک سرہند شریف (ریاست پٹیالہ) میں
مقیم رہیں۔ پانچویں سے نویں پشت تک پشاور اور قندھار میں مقیم رہیں۔ اور
دسویں پشت سے سندھ میں سکونت اختیار کی۔ آپ کی درگاہ ٹنڈو محمد خان کے
قریب ایک چھوٹے سے گاؤں (ٹنڈو سائیں داد) میں واقع ہے۔

سراج الاولیاء حضرت خواجہ عبدالرحمان جان کی سندھ میں آمد:

جب افغانستان میں امیر ایوب خان اور امیر عبدالرحمان کے درمیان
تخت کیلئے جنگ چھڑی اس وقت عام مسلمان امیر ایوب خان کی طرف تھے۔ اور
الگوہذا امیر عبدالرحمان کی طرف تھے۔ جنگ میں ایوب خان کو شکست ہوئی
اور وہ ملک چھوڑ کر فرار ہو گیا۔

امیر عبدالرحمان کے تخت پر بیٹھے بنی غازیوں پر بڑے علم و ستم کیلئے
گئے۔ اکثر بہادر سردار قتل کر دیئے گئے۔ اس لئے بہت سے مہاجرین افغانستان
سے ہجرت کر گئے۔ حضرت خواجہ عبدالرحمان بھی ان ہی غازیوں میں شامل تھے۔

جنہوں نے اپنے وطن کو خیر باد کہا۔

سندھ میں پہلے آپ کے بہت سے مریدین و معتقدین تھے۔ جن کے پاس دیے بھی آپ ہمیشہ آتے رہتے تھے۔ افغانستان چھوڑنے کے بعد آپ نے ریاست قلات کے رئیس فقیر محمد متوفی کے پاس قیام فرمایا۔ اس کے بعد میانمار میں مولوی حامد اللہ اور ملا عبدالحکیم کے پاس کچھ دن قیام کرنے کے بعد گڑھی میں رئیس اعظم عطاء اللہ خان کے پاس قیام فرمایا۔ اس کے بعد مٹیاری میں تشریف لائے۔ جہاں آپ کے بہت زیادہ مرید تھے۔

ہر جگہ پر مریدوں نے اصرار کیا کہ آپ ہمارے پاس رہیں۔ لیکن آپ نے ہر ایک کو یہی جواب دیا کہ ہم یہاں رہنے کیلئے نہیں آئے ہیں۔ ہمارا وطن جانے کا ارادہ ہے۔ مٹیاری میں آپ کے مخلص مرید میران محمد شاہ اول (مکھڑی) نے بہت زیادہ اصرار کیا۔ کہ مکھڑی میں چل کر رہیں۔ حضرت صاحب نے شاہ صاحب کی گزارش قبول فرمائی اور مکھڑی میں تشریف فرما ہوئے۔ تقریباً ڈیڑھ سال مکھڑی میں قیام کرنے کے بعد عربستان تشریف لے گئے۔ وہاں پانچ سال گزارنے کے بعد ۱۳۵۵ھ میں مکھڑی واپس تشریف لائے۔

مکھڑی میں آپ کی تشریف آوری سے مکھڑی کا چوٹا سا گاؤں روحانیت اور معرفت کا مرکز بن گیا۔ ہند، سندھ اور کابل قندھار کے لوگ آپ سے فیض حاصل کرنے کیلئے بڑی مسافت طے کر کے مکھڑی پہنچتے تھے۔ آپ کی صحبت میں ہزاروں راہ حق کے متلاشی اپنی منزل تک پہنچے اور واصل باللہ ہو گئے آپ کا فیض اب بھی جاری و ساری ہے۔ آپ نے اپنی زندگی کے کئی دس سال مکھڑی میں گزارنے کے بعد ۱۳۱۵ھ میں اس دار فانی سے رخصت فرمائی۔ آپ کا مزار مبارک گنجو مکڑی کے دامن میں مکھڑی سے تین میل شمال مشرق

میں واقع ہے۔

زبدۃ السالکین حضرت خواجہ محمد حسن جانؒ؟

حضرت خواجہ محمد حسن جانؒ اپنے والد صاحب کے وصال کے بعد مسند نشین ہوئے۔ ایک سال کا عرصہ ٹکھڑ میں گزارا۔ ۱۲۱۶ھ میں ٹکھڑ کو چھوڑ کر ٹھڑو سائیداد میں مستقل سکونت اختیار کی اور آج تک آپ کی درگاہ اس قصبے میں ہے۔ جناب حضرت قبلہ گاہم قدس سرہ کی ولادت باسعادت بتاریخ ۶ شوال ۱۲۷۸ھ کو قندھار میں ہوئی۔ آپ کی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت آپ کے والد ماجد نے کی۔ جو اپنے وقت کے جلیل القدر عالم اور ولی اللہ تھے۔ اس کے بعد دو سال تک مٹیاری کے مشہور مولوی لال محمد صاحب سے دینی علوم کی تعلیم حاصل کی اور پانچ سال عرب میں جا کر اس وقت کے ممتاز عالم حضرت مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی کے پاس مدرسہ ”صولیہ“ میں اپنے علم کی تکمیل کی اور مکہ مکرمہ کے مفتی شیخ احمد زینی دحلان سے علم حدیث حاصل کیا۔ اور روایت صحاح ستہ کی اجازت بھی ان سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ کو قرآن پاک حفظ کرنے کا شوق ہوا۔ توڑے عرصے میں بائیس پارے مکہ شریف میں حفظ کیے اور باقی آٹھ پارے ٹکھڑ میں آنے کے بعد حفظ کیے۔

آپ کی عمر مبارک ۸۷ سال تھی۔ اس مدت میں پانچ مرتبہ حج مبارک کرنے کی سعادت پائی۔ سات مسجدیں تعمیر کرائیں۔ گیارہ مہندے قائم کیے۔ اور باوجود اپنی عظیم الفرستی کے آپ تبحر علمی اور تصنیف و تالیف دینیہ میں اس قدر دسترس رکھتے تھے کہ آپ کی مختلف تصانیف آپ کے حیات مبارک میں ہی بہت مقبول عام و خواص ہوئیں۔ اور اُنکے تراجم مختلف زبانوں میں شائع

ہوئے۔ آپ نے تقریباً پچیس کتابیں اور اُس کے علاوہ دوسرے چھوٹے نمائے تصنیف فرمائے، مثلاً :

۱۔ انیس المریدین (۱۳۱۶ھ - فارسی) اس کتاب میں آپ نے اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ عبدالرحمان کی سوانح حیات لکھی ہے۔ تصوف کے اسرار اور اذکار کے مقامات اور وہ کرامتیں جو ان کے والد بزرگوار سے ظہور پذیر ہوئیں، درج ہیں۔ دو سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب خواص و عام کیلئے بہت فیض بخش ہے۔ اس کا سندھی ترجمہ زیر طبع ہے۔

۲۔ تذکرۃ الصلحاء (فارسی - ۱۳۲۶ھ) اس کتاب میں حضرت مصطفیٰ نے مختلف بزرگوں کے حالات جن سے الٰہی ملاقات ہوئی بیان فرماتے ہیں۔ نیز طرح طرح کے مشاہدات بزرگان کرام اور عجائبات چشمیدہ درج فرمائے ہیں۔ بیاسی صفحات پر مشتمل اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی حضرت مصطفیٰ کی حیات مبارک میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کے سندھی ترجمہ کا کام حضرت خواجہ محمد حسن جان اکیڈمی کی طرف سے ہو رہا ہے۔

۳۔ شرح حکم (فارسی - ۱۳۳۵ھ) اصل کتاب عربی زبان میں شیخ علامہ اللہ سکندری کی لکھی ہوئی ہے۔ جس کی شرح مختصراً اور واضح طرح سے لکھی گئی ہے۔ تصوف کی یہ کتاب سالکان حق کیلئے ایک عجیب تحفہ ہے جبکہ اس کتاب کی پہلے بھی کئی شرطیں لکھی جا چکی ہیں۔ لیکن شاید اتنا آسان اور واضح کبھی نہ لکھی گئی ہو۔ دو سو آٹھ صفحات پر مشتمل اس کتاب کا سندھی اردو ترجمہ حضرت خواجہ محمد حسن جان اکیڈمی کی طرف سے زیر طبع ہے۔

۴۔ الاصول الاربعہ (فارسی - ۱۳۴۶ھ) اس کتاب میں چار بنیادی

اصولوں کا بیان حنفیہ عقیدے کے مطابق کیا گیا ہے۔ (i) غیر اللہ کی تعظیم (ii) وسیلہ لینا (iii) تمام غائب (iv) چاروں عقیدوں میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا۔ ایک سو ستائیس صفحوں پر مشتمل یہ کتاب آپ کے حیات مبارک میں ہی ہند، سندھ، افغانستان کے علاوہ عرب اور عجم کے دوسرے ممالک میں بھی بہت مقبول ہوئی۔ اس کا ایک ایڈیشن ۱۹۷۸ء میں ترکی سے بھی شائع ہوا۔ اس کا سندھی ترجمہ زیر طبع ہے۔

۵۔ طریق النجات (فارسی ۱۳۳۹ء) یہ کتاب حضرت امام غزالیؒ کی کتاب "دیکیماء سعادت" کی طرح لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب ایک کسول ہے۔ جس کے مطالعہ سے کھرے اور کھوٹے طریقے کی پرکھ ہو جاتی ہے۔ ایک مشعل ہے جس کی روشنی میں ہدایت و ذلالت میں فرق کرنے کی سمجھ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور عقائد کے سلسلہ میں محبت آل و اصحاب، ضرورت تقلید، تعریف بدعت سمجائی گئی ہے اس کے علاوہ اعمال بدنیہ کے تحت نماز روزے وغیرہ کا بیان اعمال روحانیہ کے تحت مذمت کینہ، حسد و بخل اور حرص وغیرہ کا اور محبت الہی اور سبحانہ و تعالیٰ کے تحت رضا، اخلاص، صدق وغیرہ اور مسئلہ نقدیر کا بیان اس غریب سے کیا گیا ہے کہ کسی دوسری کتاب میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ یہ کتاب دو سو چھیانوہ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور حضرت مصطفیٰؐ کے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ محمد شمس علی صاحب کا اتر دو ترجمہ (اصل عبارت کے سامنے) خود حضرت مصطفیٰؐ کے حیات مبارک میں شائع ہوا۔ اور بہت مقبول ہوا۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ترکی سے شائع ہوا ہے۔ اور اتر دو ایڈیشن ۱۹۷۹ء میں سیالکوٹ سے بھی شائع ہوا ہے۔

۶۔ العقائد الصیغہ (عربی ۱۳۶۰ء) اہل سنت والجماعت کے صیح عقیدوں پر لکھی ہوئی یہ کتاب (جو آپ کے ہاتھوں میں ہے) بھی حضرت قبلہ کی حیات

مہارت میں ہی عرب اور عجم میں بہت مقبول ہوئی۔ اس کا اردو ترجمہ بھی انہی
دہائیوں میں شائع ہو چکا تھا۔ اس کتاب کے ۱۰۴ صفحات پر مشتمل سندھی ترجمہ
کے دو ایڈیشن ۱۹۸۳ء و ۱۹۸۴ء میں حضرت خواجہ محمد حسن جان اکبر دی کی
طرف سے چھپ چکے ہیں۔

- ۸۔ شفاء الامراض (فارسی) ۱۳۱۲ھ ۸۔ عہود و مواعین (عربی)
 - ۹۔ پنج گنج (فارسی) ۱۳۲۱ھ ۱۰۔ سفرنامہ عربستان (فارسی) ۱۳۳۲ھ
 - ۱۱۔ عجائب المقدرات (فارسی) ۱۳۳۶ھ ۱۲۔ اشارة الى البشارة - (عربی)
 - ۱۳۔ انساب الانبیا (فارسی) ۱۳۴۵ھ ۱۴۔ لغات القرآن (عربی)
 - و دیگر رسائل مثلاً سالہ (۱) ترجمہ ممدین - (عربی) ۱۳۵۶ھ (۱۱) در سلوک و
کیفیت نقشبندیہ (فارسی) (۱۱۱) وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود (فارسی)
(۱۱۲) رسالہ التوہید فی اثبات التقدير (عربی) اردو - ۱۳۶۹ھ
 - (۱۱۳) رسالہ فی باب صحۃ الجمعیۃ (عربی) (۱۱۴) رسالہ در قواعد تجوید (فارسی)
 - (عربی) (۱۱۵) رسالہ تہلیلۃ - (فارسی) ۱۳۷۵ھ وغیرہ
- حضرت خواجہ محمد حسن جان کو لوگ مختلف القاب سے یاد کرتے تھے
آپ کو حضرت وقت، قطب الاقطاب اور ثانی المجدد الفتن ثانی بھی کہتے تھے
خواجہ صاحب اکمال یہ تھا، کہ آپ کے عقیدتمندوں کے حلقے میں زیادہ تر عالم
و فاضل لوگ تھے۔ اور ساتھ ہی انگریزی تعلیم یافتہ لوگ بھی بڑی تعداد میں
تھے۔ حالانکہ یہ دونوں طبقے پیروں فقیروں کے معتقد نہیں ہوتے۔ بلکہ مخالف
ہوتے ہیں۔

حضرت صاحب مریدوں اور عقیدتمندوں کو نماز قائم کرنے اور
غیر کی نماز سے یکسر طوع آفتاب تک مراقبہ میں بیٹھ کر ذکر الہی کرنے کی تلقین

فرماتے تھے۔ آپ کے اکثر مرتبہ گنہگار و شب بیدار تھے۔ اور اکثر صاحب ولایت بھی تھے۔

حضرت صاحب اکثر پُر جلال نظر آتے تھے۔ آپ کی مغل میں ہر ایک دم بخود ہوتا تھا۔ کسی کو بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آپ جس قدر جلوت میں جلال نظر آتے تھے اسی قدر خلوت میں جمالی معلوم ہوتے تھے۔ اگر کوئی شخص و عا کیلئے گزارش کرتا، اور آپ خاموش رہتے تو اس کے دل کی مراد قبولیت کے درجہ تک پہنچ جاتی تھی۔ آپ کا کشف بھی حد کمال کا تھا۔ کہ عرض کرنے سے پہلے، جواب مل جاتا تھا۔

جیسا کہ حضرت امام ربانیؒ نے فرمایا ہے کہ آپ کی اولاد یوں قطبیت قیامت تک قائم رہے گی۔ حضرت صاحب ممدوح آپ کی پشت میں وقت کے قطب بلکہ قطب الاقطاب تھے۔ اور آپ کے بعد آپ کی آل اولاد بھی قطبیت سے سرفراز ہوئی۔

جبکہ اس دایرہ فانی سے دار البقلا کی طرف ہر ایک کو جاننے ہے۔
حضرت صاحبؒ نے بھی تقریباً چالیس دن کی بیماری کے بعد یرونہ پیر ۲۵
۱۳۶۵ھ، ۶ جون ۱۹۴۶ء ستاسی سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔
إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

قطب الاقطاب حضرت خواجہ عبداللہ جان المعروف شاہ آغا

اپنے والد صاحب کے انتقال کے بعد مسند نشین ہوئے۔ آپ کی ولادت با سعادت ۸ ماہ جمادی الاول ۱۲۰۵ھ میں مکہ شریف میں ہوئی۔ دس سال کی عمر تک اپنے دادا حضرت خواجہ عبدالرحمانؒ کی گود میں

تربیت و تعلیم حاصل کی۔ فارسی کتاب پوری کرنے کے بعد عربی کا پہلا سبق ،
 ”صرف بہائی“ آپ سے لیکر اس کے بعد باقاعدہ دینی مکتوب کی کتابیں ،
 مولوی عبد القیوم بختیار پوریؒ ، مولوی نعل محمد مباروی اور مخدوم حسن اللہ
 پانڈی کے پاس پڑھی اور باقی تعلیم مولوی خیر محمد ٹنگسی کے پاس پورے کی۔

آپ کی عمر مبارک ۸۲ سال تھی۔ اس عرصہ میں چار حج کیے۔ چند
 مسجدیں تعمیر کرائیں۔ کافی مدرسے قائم کیے۔ اور تقریباً پندرہ کتابیں اور
 چھوٹے رسالے تصنیف کیے۔ مثلاً انتخاب مکتوبات شریعت (فارسی) جس
 میں ہر ایک مکتوب کا اختصار باب کے مطابق مرتب کیا ہے۔ مثلاً پہلا
 باب عقائد اہلسنت والجماعت دوسرا باب مسائل فقہ اور تیسرا باب عقائد
 ومعارف۔

۲۔ اربعین مکتوبات (فارسی) جس میں چالیس آسان مکتوب منتخب
 کمر کے شاگردوں کو پڑھانے اور یاد کرانے کیلئے لکھی ہیں۔

۳۔ مؤنس المصلین (فارسی) جس میں اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ
 محمد حسن جانؒ کی سوانح حیات لکھی ہے۔

۴۔ حفظ حدیث (فارسی) یہ کتاب حدیث کے منکروں کے رد میں لکھی ہے۔

۵۔ ہدایت الحج (سندھی) یہ کتاب حج کے مسائل کیلئے بے نظیر ہے۔

۶۔ راحت القلوب (سندھی) جس میں روحانی و جسمانی بیماریوں کا علاج
 لکھا ہے۔

۷۔ راحت المصلین (سندھی) اس کتاب میں اپنے بچپن کے دور کا احوال
 تعلیم و تربیت علم و ذوق شوق اور وعظ و نصیحت لکھی ہیں۔

۸۔ الارشاد شرح بانہ سعاد (سندھی) اس کتاب میں ایک عربی

قصیدے کی شرح اور حل ترکیب لکھی ہے۔

۹۔ احسن الوسائل فی تحقیق المسائل - (سندھی) اس کتاب میں مختلف مسئلوں اور سوالوں کے جواب لکھے ہیں۔

۱۰۔ مخزن العلوم - (سندھی) حصہ علم وادب کا۔ حصہ علم قرأت احسنہ علم فقہ کا۔ حصہ علم حدیث کا۔ حصہ علم تعویذات کا۔ اور حصہ علم طب کا۔
۱۱۔ شرح قافیہ (عربی) اس کتاب میں قافیہ کی شرح لکھی ہے۔

۱۲۔ طب میں تفریف الامراض اور تفریق الامراض دو کتابیں لکھی ہیں
(۱) پہلی کتاب عربی زبان میں ہے۔ اور دوسری کتاب فارسی زبان میں ہے۔

۱۳۔ برگ سبز - (فارسی) اس کتاب میں درخت نیم کے فائدے بیان کیے ہیں۔

نوٹ: حضرت صاحب اپنے ذاتی خرقہ سے کتابیں چھپوا کر مفت تقسیم کرتے تھے۔ جس قدر آپ کی تحریر میں اثر تھا اس سے زیادہ آپ کی نگاہ میں اثر تھا۔ جن پر آپ نے نگاہ ڈالی۔ اُس کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہدایت نصیب ہوئی۔ مطلب یہ کہ آپ نے اپنی ساری زندگی مریدین اور معتقدین کی باطنی اور ظاہری تعلیم و تربیت میں گزاری۔ اپریل ۱۹۳۷ء میں چمبہ طر کے راسخے میں آپ کی جیپ کی ٹکڑا ایک بس سے ہوئی جس میں آپ شدید زخمی ہو گئے۔ اور آپ کو زخمی حالت میں جامشورو ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ آپ کے بزرگوں مرید و معتقد ہسپتال میں پہنچے۔ اور رئیس غلام مصطفیٰ لغمان اور رئیس غلام مجتبیٰ خان جنوٹی بھی آپ کی مزاج پُرسی کیلئے ہسپتال میں پہنچے۔ لیکن آپ نے کسی سے بھی اپنی تکلیف کا کوئی اظہار نہیں کیا۔ اور اس وقت بھی کوئی نماز نہ رک نہ کی۔ خلیفہ سائیداد اور ماسٹر نور محمد چٹان اودان

کے فرزند محمد قاسم اور مبارک علی رات دن آپ کی خدمت میں رہتے تھے۔
 بن کا آپ نے پہلے ہی اس خدمت کیلئے انتخاب کر لیا تھا۔ آپ ایک ہفتے تک
 ہسپتال میں زیر علاج رہے۔ آخری رات عشاء کی نماز کے بعد قرآن شریف
 پڑھنا شروع کر دیا۔ تہجد کے وقت قرآن پاک ختم کر کے آنکھیں بند کر لیں۔
 جس کو نیند بچھا گیا۔ حالانکہ وہی آپ کا وصال تھا۔ آپ نے ۲ ربیع الاول
 ۱۳۹۳ھ بمطابق ۷ اپریل ۱۹۷۳ء کے دن دارالبقاء کی جانب سفر
 اختیار کیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

امام العارفین حضرت خواجہ غلام علی جانؒ

حضرت خواجہ غلام علی جانؒ اپنے والد حضرت خواجہ عبداللہ جانؒ
 المعروف شاہ آغا قدس سرہ العزیز کے انتقال کے بعد مسند نشین ہوئے
 آپ کی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت اپنے دادا حضرت خواجہ محمد حسن جانؒ
 سے ہوئی۔ اور باقی تعلیم مٹھہ کے دینی مدرسہ میں حاصل کی۔ حضرت صاحب
 نے اپنی ساری زندگی عبادت، ریاضت اور فقر و فاقہ میں گزاری۔ آپ کی
 بیٹھک ایک چھوٹی سی کچی کوٹھڑی میں تھی۔ جس میں ایک چار پائی، ایک پٹائی
 دو تین پیالے اور ایک کینلی نظر آتی تھی۔ حضرت صاحب اکثر مستغرق
 مراقبہ رہتے تھے۔ اور اسی کیفیت میں حاضرین میں سے کس پر ایک نگاہ
 ڈالنے سے اس کو بالنی فیض سے اتنا نوازتے تھے کہ وہ بے قابو ہو جاتا تھا
 اور رنجشہٗ واصل باللہ ہو جاتا تھا۔ آپ یتیموں، مسکینوں، غریبوں اور
 چھوٹے بچوں سے پیار کرتے تھے۔ اسیلئے آپ کو لوگ ”غریب نواز“ کہتے

تھے۔ میں محمد منیر ابطو، ولی محمد سومرو، ایوب فقیر سومرو اور دلوجان پٹان آپ کے خاص خادم تھے۔ آپ سفر میں محمد منیر کو ساتھ رکھتے تھے۔ ماہ رجب ۱۳۹۷ھ میں آپ حاجی کریم بخش جنوٹی محمد منیر اور امہم بخش خان جنوٹی کے ہمراہ عمرہ کیلئے تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کی عجیب و غریب کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ (جنگل اطہار کی اجازت نہیں ہے) آپ ایک مہینہ کے بعد واپس آئے۔ اور چند دنوں کے بعد تاریخ ۲۵ شعبان کو رحلت فرمائی۔
 اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

حضرت خواجہ عبدالحمید جان مدظلہ

حضرت الحاج خواجہ عبدالحمید جان مدظلہ کی ظاہری و باطنی تربیت اپنے دادا حضرت آغا عبداللہ جان کے پاس ہوئی۔ آپ کسبی سے ہی سفر و حجر میں اپنے دادا کے ساتھ رہتے تھے۔ آپ اپنے والد بزرگوار کے وصال کے بعد ۱۳۹۷ھ میں مسند نشین ہوئے۔ آپ کو ۱۳۹۷ھ میں حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور مسند نشینی کے دوسرے سال آپ کو حضور علیہ صلوٰۃ والسلام کے روضہ اقدس پر حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ آپ تقریباً دو ماہ تک مدینہ طیبہ میں قیام کے دوران حضور علیہ صلوٰۃ والسلام کی ظاہری و باطنی عنایات و توجہ خاصہ سے سرفراز ہوئے۔ اسی سال پھر آپ کو دوسری مرتبہ حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ سنڈو سائینڈا و ضلع حیدرآباد میں سلسلہ مجددیہ کے پیرا خ کو حسب دستور روشن کیے ہوئے ہیں۔

ابو محمد مجددی
 (غلام اکبر جنوٹی)

پیر ۱۵ جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ
 مطابق ۱۹ مارچ ۱۹۸۲ھ

۲۔ دیباچہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَالسَّلَامُ عَلَى نَبِيِّهِ وَرَسُولِهِ الْمُصْطَفَى
وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ الْبَرَّةِ أَهْلِ الثَّقَلَيْنِ ۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد عبد ضعیف محمد حسن فاروقی حنفی گزارش کرتا ہے۔
کہ عہد حاضر میں دہلیویہ اور حنفیہ کے درمیان کمال اختلاف پڑا ہوا ہے۔
عام عقائد میں حتیٰ کہ الہیات میں اور مفہوم رسالت میں اور ان مسائل
شرعیہ میں بھی اختلاف ہے۔ جو عقائد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ اختلاف اب
ایک دوسرے کی تکفیر تک پہنچ چکا ہے۔ جسکی وجہ سے اُمت محمدیہ میں ناگفتہ بہ
تشتت و افتراق پڑ گیا ہے۔ اس لئے میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ اس
مختصر سی کتاب میں اہل سنت والجماعت کے عقائد مختصر طور پر بیان
کروں اور حتیٰ الوسع مخالفین کے اقوال نقل کرنے سے کنارہ کش رہوں۔ مگر
بقدر ضرورت نقل بھی کروں گا۔ اور خدا سے امید کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں
کو کج روی اور غلاط سے محفوظ رکھے کہ اس کتاب کی طفیل سے ان کو فائدہ
ہونے لگا۔ اُس قدر خدا مالک ہے جو چاہے کرے، اسی کی بارگاہِ عالی میں میری
درخواست منظور ہو سکتی ہے۔ واضح رہے کہ میں اس رسالہ میں عموماً مآدِ احادیث
شریفہ سے دلیل پیش کروں گا، نہ اقوالِ آئمہ سے اور نہ اقوالِ علمائے اسلام
سے، مگر بقدر ضرورت پیش کرتا جاؤں گا۔ تاکہ ان کی قابلِ قدر قیاسات
شرعیہ مخالفین کی بد زبانوں سے محفوظ رہیں۔ کیونکہ ان کی عادت ہے
کہ کوئی حدیث جب ان کے خیال کے مطابق نہ ہو تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ وہ
ضعیف ہے۔ یا موضوع ہے۔ اگرچہ اکابر اسلام نے اس حدیث کو استدلال

کے موقع پر پیش کیا ہو چنانچہ جناب امام غزالیؒ، امام سیوطیؒ، شیخ عبدالحقؒ،
 محدث دہلویؒ اور محدث طاعلی قاریؒ وغیرہم ایسے استدلال پیش کر
 چکے ہیں۔ اور مخالفین حسب عادت ائمہ دین اور اکابر اسلام کے ایسے
 استدلال جب دیکھتے ہیں تو ان کے حق میں گستاخی کرنا شروع کر دیتے ہیں
 خدا ہی ان کو سنبھالے، ایسے میں عموماً اس موقع پر قرآنی آیات ہی پیش
 کروں گا جس کی مخالفت دوسرا دوسرے نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ خدائے
 حکیم و حمید کا کلام ہے۔ علاوہ ازیں موضع اختلاف میں انصاف سے فیصلہ
 کروں گا۔ اور قول باطل پر قدم نہ جماؤں گا۔ اس کے بعد اس رسالہ کا نام
 میں نے **الْعُقَابُ لِلصَّحِيحَةِ** رکھا ہے۔ اب سب سے پہلے میں وہ مضمون
 لفظ بہ لفظ پیش کرتا ہوں۔ جو حضرت امام حجة الاسلام محمد انزال رحمۃ اللہ
 نے توحید اور البیات اور منصب رسالت کے متعلق اپنی کتاب **قوائد العقائد**
 میں بیان کیا ہے۔ کیونکہ وہ مضمون اس مقام کیلئے بہت ہی موزوں ہے۔ آپ
 لکھتے ہیں کہ **الْحَمْدُ لِلَّهِ الْمُبْدِي الْمُعِيدِ الْمُقَالِ لِمَا يُرِيدُ ذِي الْعَرْشِ**
الْمُجِيدِ الْبَاطِنِ الشَّهِيدِ الْهَادِي صَفْوَةَ الْعَبِيدِ إِلَى الْمُنْتَهَى الرَّ
شِيدِ - وَالْمُسَلِّحِ الشَّدِيدِ - الْمُتَعَمِّرِ عَلَيْهِمْ - بَعْدَ شَهَادَةِ
التَّوْحِيدِ بِحَدِّ اسَةِ عُقَابِهِمْ مِنْ قَلَمَاتِ التَّشْكِيكِ وَالتَّوْحِيدِ -

۳۔ توحید

خدا تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو غالب رسالت مآب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری کے لئے انتخاب کر لیا ہوا ہے اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے نقش قدم پر چلنے کے لئے چھ لیا ہے۔ اپنی تائید اور توفیق سے خدا تعالیٰ اپنی ذات اور اپنے افعال میں اپنے اوصاف حسنہ کے ذریعہ سے ان پر طبع کرے۔ مگر ان صفات کو وہی دریافت کر سکتا ہے۔ جو غور سے سننے اور خدا کو حاضر و ناظر سمجھے۔ اس نے یہ بھی ان کو بتا دیا ہے۔ کہ وہ اپنی ذات میں یگانہ ہے۔ ایسا قدیم ہے۔ جس کی ابتداء نہیں ہمیشہ موجود ہے۔ جسکی آخری حد نہیں۔ ازل وابد میں موجود ہے جسکی انتہائیں مستقل بالذات ہے۔ کسی قسم کی کسر اس کی ذات میں باقی نہیں، دائم و قائم ہے۔ جس کا خاتمہ نہیں، صفات جلالیہ کے ساتھ انہی وابدی وجود ہے۔ اس کے متعلق یہ کسی فیصلہ نہیں دیا جاسکتا کہ اسکی دائمی وندگی کے اوقات ختم ہو چکے ہیں یا اسکی مدت حیات گزر چکی ہے۔ وہی اول ہے وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے اور وہی ہر چیز کو ہمیشہ سے جانتا بھی ہے۔

خدا تعالیٰ کا تقدس

خدا کی جسم اور صورت میں نہیں، نہ محدود چیز ہے جس کا تخمینہ لگایا جائے۔ کسی جسم کی مثل بھی نہیں کہ اس میں قیاس لگایا جائے۔ یا اسکی تقیم ہو سکے۔ نہ وہ محسوس مخلوق ہے نہ غیر مستقل چیز ہے۔ جو دوسرے کے امر سے

سے پائی جائے۔ نہ وہ صفائی چیز ہے۔ نہ صفائی ناپائیدار چیزوں کا مرکب ہے وہ کسی ہستی کی مشعل نہیں، نہ کوئی ہستی اسکی مشعل ہے۔ بلکہ اسکی مثال کی بھی مثال نہیں۔ اور نہ ہی اسکی مثال

کسی چیز کی مثل ہے کوئی مقدار اس کو محدود نہیں کرتی، نہ اطراف اسکو اپنے اندر سمیٹ سکتے ہیں۔ کوئی جیت اسے اپنے احاطہ میں نہیں لاسکتی۔ زمین و آسمان بھی اسے نہیں سنبھال سکتے۔ وہ اپنے عرش پر قائم ہے۔ مگر اسی طرح جو اس نے خود کہا ہے۔ اور اسی کیفیت سے جو اس کے اپنے ارادہ میں ہے اس کا وہ قیام اتصال اور چھونے سے بالاتر ہے۔ اور اندراج اور جذب سے الگ ہے، اسیں اتصال بھی نہیں، عرض کے اٹھائے ہوئے بھی نہیں بلکہ وہ خود اپنے عرش کو اور اس کے اٹھانے والے فرشتوں کو اپنے دست قدرت سے اٹھاتے ہوئے ہے۔ اور اس کے قبضہ میں مغلوب ہیں۔ وہ عرش پر ہے اور آسمان پر بھی۔ بلکہ تحت الثرائے تک ہر چیز پر فائق ہے۔ یہ فوقیت نہ اسے آسمان اور عرش کے قریب کرتی ہے۔ اور نہ زمین اور تحت الثرائے سے دور لے جاتی ہے۔ وہ عرش و آسمان سے بالاتر مرتبہ رکھتا ہے۔ تاہم وہ ہر چیز تحت الثرائے سے بالاتر ہے۔ تاہم وہ ہر چیز کے قریب ہے۔ اور شہ رگ سے زیادہ اپنے بندہ کے قریب ہے۔ اور ہر چیز کا نگرانِ حال بھی ہے۔ کیونکہ وہ اس طرح قریب نہیں جس طرح کہ جسم قریب ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح اس کی حقیقت کی حتمانی حقیقت سے نہیں ملتی۔ نہ وہ کسی میں حل اور تبدیل ہوتا ہے اور نہ کوئی چیز اس میں حل اور تبدیل ہو سکتی ہے۔ وہ اس امر سے بھی بالاتر ہے کہ کوئی مکان اسے اپنے اندر سمیٹ لے جس طرح کہ اس امر سے بھی بالاتر ہے کہ کوئی زمانہ اسے محدود کرے بلکہ وہ خود زمانہ اور مکان پیدا کرنے سے پہلے موجود

تھا اور اب بھی اسی طرح موجود ہے۔ جیسا کہ پہلے تھا۔ وہ اپنے صفات میں اپنی مخلوق سے نرالا ہے۔ اس کی ذات میں اس کا غیر موجود نہیں نہ غیر میں وہ موجود ہے۔ وہ تغیر و تبدل سے پاک ہے۔ نہ حوادث اس میں جاگزیں ہیں۔ اور نہ صفائی ناپائیدار حالات اس میں موجود ہیں۔ بلکہ وہ اپنے جلال میں موجود ہے۔ اور زوال سے پاک ہے۔ وہ اپنے صفاتِ کاملہ میں موجود ہے۔ کسی اور تکمیل کی اسے ضرورت نہیں صرف عقل سے اس کا وجود معلوم ہو سکتا ہے۔ اس کی ذات بھی آنکھ سے دیکھی جاسکتی ہے۔ جب کہ دوسری دنیا میں اپنے نیک بندوں پر فضل و کرم کی نگاہ کرے گا۔ اور اپنے مبارک چہرہ کے دیدار سے ان کی تکمیلِ نعمت کرے گا۔

خدا تعالیٰ کی ابدی زندگی اور قوت

وہ زندہ، طاقتور، صاحبِ قدرت، ہر چیز پر غالب، ہر شے کا دل کا سہارا ہے۔ اس میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں، اور نہ عاجزی، نہ اسے نیند آتی ہے، نہ اونگھ، اور نہ اسے فنا اور موت سے پالا پڑا ہے۔ وہ حکمت اور بندوبست کا مالک ہے، عزت اور غلبہ کا بھی مالک ہے۔ مخلوق پر تسلط اور غلبہ اُسی کا ہے۔ وہی نسل سے پیدا کرتا ہے۔ اور وہی کئی کہنے سے پیدا کرتا ہے۔ تمام آسمان اس کے دستِ قدرت کے دانے ہاتھ میں پیٹے ہوئے ہیں۔ تمام مخلوقات اس کے قبضہ میں مغلوب ہے۔ صرف وہی مادہ اور مادہ کے

کے بغیر پیدا کر سکتا ہے۔ اپنی ایجاد و اختراع میں یکساں ہے۔ اس نے ہی اپنی مخلوقات کو اور اس کے اعمال کو پیدا کیا ہے۔ اس نے اسکی روزی اور موت کا صحیح اندازہ لگایا ہے۔ کوئی مخلوق اسکی قدرت سے خارج نہیں ساری کائنات کے تصرفات بھی اسکی قدرت سے باہر نہیں، اس کی قدرت کا اندازہ نہیں لگایا جاتا۔ اور نہ ہی اس کے معلومات کی کوئی انتہا ہے۔

خدا تعالیٰ کا علم

وہ تمام اشیاء کا عالم ہے۔ اس کا علم تمام ان چیزوں پر حاوی ہے جو زمین کے کناروں سے لے کر اوپر کے آسمانوں تک جاری ہیں۔ ایسا عالم ہے کہ اس کے علم سے ذرہ بھر بھی زمین و آسمان کی کوئی چیز باہر نہیں۔ بلکہ ٹھوس پتھر پر جب چوٹی سی سخت اندھیری رات میں دبے پاؤں چلتے ہیں۔ تو اس کی رفتار سے بھی آگاہ ہے۔ اور جو فطرت ہوا میں اڑتے ہیں۔ اُن کی حرکت کو بھی جانتا ہے، وہ راز اور راز سے پوشیدہ تر بات کو بھی جانتا ہے۔ دل کے خیالات اور خیالات کی حرکات بھی جانتا ہے اور پوشیدہ سے پوشیدہ بھیید کو بھی جانتا ہے۔ مگر اس کا یہ علم ازلی ہے۔ جو ہمیشہ سے ہمیشہ میں اسکی صفت ہے۔ وہ کسی نو پیدا علم سے نہیں جانتا جو کبھی اس کی ذات میں آئے اور کبھی نکل جائے۔

خدا تعالیٰ کا ارادہ

وہ مخلوقات میں اپنا ارادہ برتتا ہے۔ تمام نو پیدا مخلوق میں انتظام کرتا ہے، جو بھی اسکی بادشاہت میں کم و بیش، خورد و کلاں، دکھ سکھ

نفع و ضرر، ایمان و کفر، خدا شناسی یا انکار، کامیابی یا ناکامی، زیادتی یا نقصان، فرمانبرداری یا بے فرمانی ہوتی ہے اسی کی قضاء و قدر اور حکمت و مشیت سے ہوتی ہے۔ جسے چاہے وہ موجود ہو جا کہے۔ اور جسے نہ چاہے وہ موجود نہیں ہوتا۔ اس کی مرضی سے آنکھ کی ایک نگاہ بھی باہر نہیں اور دل کا کوئی خیال بھی باہر نہیں۔ بلکہ وہی نوپید کرنے والا اور دوبارہ پیدا کرنے والا ہے۔ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے، وہی کرتا ہے، کوئی اس کے حکم کو روکنے والا نہیں نہ ہی اس کے فیصلہ پر کوئی شکستہ چین ہے۔ انسان کو کسی برائی سے روکنے میں اس کی توفیق اور رحمت کے بغیر چارہ نہیں اور فرمانبرداری میں اس کے ارادہ اور مشیت کے سوا مجال نہیں اگر تمام انسان، جن، فرشتے اور شیطان بھی جمع ہو کر سلسلہ کائنات میں ایک ذرہ کو بھی حرکت دیں یا اس کے ارادہ کے بغیر اسے ساکن کرنا چاہیں، تو اس سے عاجز ہو جائیں گے۔ خدا کا ارادہ اس کی اپنی ذات میں باقی صفات کی طرح قائم ہے۔ وہ برستور اس سے موصوف رہا ہے۔ زمانہ ازل میں اس نے ارادہ کیا کہ سلسلہ مخلوقات اپنے اپنے وقت پر پیدا ہو جو اس نے تجویز کیا تھا چنانچہ جس طرح اس نے زمانہ ازل میں کسی قدم و تاخیر کے بغیر چاہا تھا۔ اسی طرح کائنات معرض ظہور میں آئی۔ بلکہ اس کے علم کے اور اس کے ارادہ کے مطابق بغیر کسی تغیر و تبدل کے موجود ہو گئی نہ اسے کسی تجویز کے سوچنے کی ضرورت پڑی، نہ اسے کسی وصیت کا انتظار تھا یہی وجہ ہے کہ اسے ایک معروفیت و دوسری معروفیتوں سے غافل نہیں کرتی۔

خدا تعالیٰ کی قوت شنوائی اور بینائی

وہ خدا شناس ہے اور دیکھتا ہے۔ اس کی شنوائی سے کوئی بات باہر

نہیں۔ اگرچہ وہ کتنی ہی غنی ہو اور اسکی بینائی سے کوئی چیز خارج نہیں۔ اگرچہ کتنی ہی باریک ہو۔ اس کی قوت سماعت کو کوئی دوسری مانع نہیں۔ اور اس کی قوت بینائی کو کوئی تاریکی نہیں روکتی۔ وہ بغیر آنکھ اور پلک کے دیکھتا ہے۔ اور سو رانگ گوش اور کان کے بغیر سنتا ہے۔ اسی طرح دل کے بغیر جانتا ہے۔ اور ہاتھ کے بغیر محسوس کرتا ہے۔ اور اوزار کے بغیر پیدا کر لیتا ہے۔ کیونکہ اس کے صفات مخلوق کی صفات جیسے نہیں اور نہ ہی اسکی ذات مخلوق کی ذات کی مثل ہے۔

خدا تعالیٰ کا کلام

وہ کلام کرتا ہے۔ حکم کرتا ہے۔ روکتا ہے۔ خوشخبری دیتا ہے۔ عذاب کی خبر دیتا ہے۔ مگر اس کا کلام ازلی ابدی قدیم ہے۔ جو اسکی ذات میں قائم ہے اور مخلوق کے کلام کی طرح نہیں کہ ہوا کی مداخلت اور حرکت سے پیدا ہو یا دو چیزوں کے ٹکرائے سے پیدا ہو۔ حروف سے مرکب نہیں کہ ہونٹ کی بندش سے ختم ہو جلتے۔ اور زبان کے چلنے سے جاری ہو۔ قرآن، توراہ، انجیل اور زبور اسی کی کتابیں ہیں۔ جو اسکے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں۔ چنانچہ قرآن اگرچہ زبان سے پڑھا جاتا ہے۔ یا اوراق میں لکھا جاتا ہے۔ اور دلوں میں محفوظ ہے۔ تاہم وہ قدیم ہے۔ خدا کی ذات میں قائم ہے۔ اوراق میں یا دلوں میں منتقل ہونے کے؛ وجود بھی وہ خدا کی ذات سے الگ اور منتقل نہیں۔ کیوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نو کلام الہی سنا تھا۔ اس میں آواز نہ تھی۔ اور نہ حروف تھے۔ اسی طرح نیک انسان عالم آخرت میں خدا کا دیدار پائیں گے۔ مگر وہ نہ ٹھوس ہو گا نہ عارضی چیز۔ جب خدا ایسا ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ وہ اپنے ان صفات میں حتیٰ، عالم، قادر، مرید، سمیع، ہبید اور متکلم ہے۔

اور اس میں یہ سات صفات موجود ہیں۔ حیوۃ، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔ اور اس کی ذات اپنی صفات سے خالی نہیں۔ (امام غزالی رحمہ اللہ کا کلام یہاں پر ختم ہو جاتا ہے) اب مولف کہتا ہے۔ (خدا کے گناہ معاف کرے) کہ امام صاحب نے جو خدا کے سات اوصاف بیان کئے ہیں وہ مذہب اشعری کے مطابق ہیں۔ ورنہ مذہب ماتریدیہ میں ایک آٹھواں اور جس خدا کا وصف ہے۔ جے تکوین کہتے ہیں۔ کیونکہ مخلوقات کے پیدا کرنے میں صرف ارادہ ہی کافی نہیں، بلکہ تکوین کی بھی ضرورت ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے خود فرما دیا ہے کہ جب میں کسی چیز کا ارادہ کرتا ہوں، تو اسے کئی کتابوں تو پھر وہ موجود ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ارادہ اور چیز ہے اور تکوین جو لفظ کُن سے اشارت کی جاتی ہے، اور چیز ہے۔ اس کے علاوہ صرف ارادہ کرنے والا فاعل نہیں کہلاتا۔ سوائے اس کے کہ اس کو ہستیت نیست کر دے۔ پس لفظ کُن سے خدا تعالیٰ کا ارادہ ہے۔ اسکو جس کا وہ ارادہ کرتا ہے، کہ نیست سے ہست کر دے۔ اس عہد کی تفصیل کا مقام علم کلام کی کتاب میں ہے۔ مثلاً شرح عقائد، شرح مواقف وغیرہ۔ اب ہم دوبارہ امام غزالی رحمہ اللہ کا کلام درج کرتے ہیں۔

افعال خداوندی

جو بھی اللہ کے بغیر ہے، وہ اسی کے فعل سے پیدا ہوا ہے۔ اور بہترین عدل کے طریق پر اور مکمل و اکمل طرز پر صورت نما ہوا ہے۔ خدا اپنے افعال میں حکمت استعمال کرتا ہے۔ اپنے فیصلہ میں عدل کرتا ہے۔ مگر اس کا عدل انسانی عدل کے مشابہ نہیں۔ کیونکہ انسان سے تو ظلم کا بھی امکان ہے۔

جبکہ وہ غیر کے ملکیت پر متصرف ہو اور خدا سے ظلم کا امکان بھی نہیں۔ کیونکہ جب
 کہ یہاں غیر کی ملکیت ہی نہیں، تو یہ کیسے کہا جائے گا کہ وہ غیر کی ملکیت پر تصرف
 کرتا ہے۔ تاکہ اس کا عمل ظلم قرار پائے۔ کیونکہ اس نے یہ تمام چیزیں خود پیدا
 کی ہیں۔ انسان، جن، شیطان، فرشتے، آسمان، زمین، حیوان، نباتات،
 جوہر، عرص، مددک، باکس اور مددک بالعقل وغیرہ، چنانچہ اس نے
 اپنی قدرت کاملہ سے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور ان کو وجود عطا کیا ہے۔ بعد
 اس کے کہ وہ نیت تھیں۔ اور وہ خدا خود زمانہ ازل میں موجود تھا۔ اور اس
 کے ساتھ کوئی غیر موجود نہ تھا۔ پھر اس نے اپنی الہی قدرت کے لئے کائنات
 کو پیدا کیا۔ اور اس سے اپنے ارادہ کا ثبوت دیا۔ جو اس نے پہلے کیا ہوا تھا۔
 اور اس قول کو پورا کرنے کیلئے جو ازل میں کہہ چکا تھا۔ ورنہ اسکو کائنات کی
 کوئی حاجت اور ضرورت نہ تھی۔ یہ اسکی مہربانی ہے کہ اسے پیدا کیا۔ نیت
 بہت کیا اور صاحب اختیار بنایا۔ ورنہ یہ سب کچھ اس پر واجب نہ تھا۔
 اور وہ ہم پر فضل کرنے والا ہے۔ کہ اس نے ہم پر احسان کیا۔ اور ہماری
 اصلاح کی۔ حالانکہ ہم بھی اس کا فرض نہ تھا۔ پس یہ سب کچھ اس کا فضل
 ہے۔ احسان اور نعمت اور انعام ہے۔ کیونکہ وہ ہر وقت قادر ہے کہ اپنے
 بندوں پر قسم قسم کے عذاب ڈالے اور رنگ رنگ کے معائب میں گرفتار
 کرے۔ اگرچہ اسے تو میر بھی اس کا عدل ہی ہو گا۔ اور اس کے لئے کوئی معیوب
 کام نہ تھا۔ اور نہ ہو گا۔ خدا اپنے حسب وعدہ اور فضل و کرم سے بندوں
 کو اپنی اطاعت قبول کرنے پر ثواب دیتا ہے۔ ورنہ بندوں کا کوئی اس
 کے خستہ نہیں۔ اور نہ ہی ان کا کوئی فرض اس پر عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ اس پر
 کوئی فعل بھی واجب نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس سے ظلم متصور ہو سکتا ہے۔

اور کسی کا حق اس کے ذمہ پر واجب نہیں۔ مگر مخلوق پر اس کا حق اطاعت واجب ہے۔ جو اس نے اپنے انبیاء کے ذریعہ سے بیان کیا ہے۔ اور وہ حق اطاعت صرف عقل سے دریافت نہیں ہوتا تھا۔ اسلئے اس نے اپنے رسول بھیجے اور کلمہ کھلا معجزات سے ان کی صداقت کا اظہار فرمایا۔ تو پھر انہوں نے خدا کا امر، نہی، وعدہ اور وعید کی خبر دی۔ اس لئے مخلوق پر واجب ہو گیا کہ جو کچھ بھی وہ کہتے ہیں، اس کی تصدیق کریں۔

۴. منصبِ رسالت

خدا ہی نے اپنا نبی امی قرشی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام کائنات کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا ہے۔ خواہ عرب ہوں یا عجم یا یحییٰ ہوں یا انسان۔ سوائے چند اصولی احکام کے تمام شرایع سابقہ کے احکام کو منسوخ کر دیا۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام پر آپ کو فضیلت عظمیٰ۔ آپ کو ستیۃ البشر بنایا۔ اور جب تک مستند رسول اللہ کا اقرار نہ ہو۔ اقرار توحید یعنی لا الہ الا اللہ مانگنے سے روک دیا۔ اور مخلوق پر آپ کی تعین فرم کر دی۔ ان احکام کے متعلق جو آپ نے دنیا و آخرت کی بابت بیان کئے ہیں۔ اور یہ بھی فرم کیا۔ کہ کسی کا ایمان معتبر نہیں۔ جب تک وہ باتیں نہ ملے۔ جنکی خبر آپ نے انسان کی موت کے بعد دی ہیں۔

بن میں سے اول منکر نکیر کا سوال ہے۔ یہ دو فرشتے باہمیت خوفناک ہیں۔ ہر مردہ کو قبر میں سیدھا بٹھا دیتے ہیں جس میں روح اور جسم دونوں ہوتے ہیں۔ پھر توحید اور سات نبوی کا سوال کرتے ہیں۔ کہ تیرا رب کون ہے۔ تیرا دین کیا ہے۔ اور تیرا نبی کون ہے؟ اور یہ دو فرشتے قبر کا امتحان ہیں۔ کیونکہ موت کے بعد قبر میں پہلا امتحان ان کے سوالات ہیں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ مومن عذابِ قبر کو قسیم کرے۔ کہ وہ حق ہے اور حکمت اور عدل ہے جسم اور روح پر جس طرح کہ خدا چاہے۔

یہ بھی مانے کہ میدانِ عمل کے دو پلڑے ہیں۔ اور ایک قبضہ کی رستی ہے۔ اس کی بڑائی کا بیان یوں ہے۔ کہ وہ زمین و آسمان کی وسعت کے برابر کی

ہے۔ اس میں قدرتِ الہیہ سے اعمال کو لے جائیں گے۔ اور اس کے بٹے چھوٹی اور رات کے دانے کے برابر بھی ہونگے۔ تاکہ پورا پورا انصاف ہو۔ پھر اس کے نورانی پتہ میں نیک اعمال کے صیغے ڈالے جائیں گے۔ جن سے وہ ترازو بوجھل معلوم ہوگا۔ ان کے نیک اعمال کے ذریعہ کے مطابق خدا کے فضل و کرم سے۔ پھر دوسرے تاریک پلڑے میں بد اعمالیوں کے صیغے ڈالے جائیں گے تو وہ خدا کے عدل و انصاف سے ہلکا ہو جائے گا۔

مومن یہ بھی مانے، کہ پل حراطِ حق ہے اور جہنم کی پشت پر یہ ایک لمبا پتی بچایا جائے گا۔ جو تلوار سے تیز ہوگا۔ اور بال سے باریک، اس سے کفار کے قدم پھسل جائیں گے۔ اور خدا کے حکم سے جہنم رسید ہوں گے۔ مومنین کے قدم اس پر ٹپک جائیں گے۔ تو جنت کو لے جائے جائیں گے۔

یہ بھی مانے، کہ حوضِ کوثر حق ہے۔ جس پر لوگ آئیں گے۔ اور حوضِ علیہ السلام کے حوضِ محمدی سے دخولِ جنت سے پہلے مومنین پانی پئیں گے اور پل حراط سے گزر کر بھی اس کا پانی پئیں گے۔ اور حوضِ ایک گھونٹ بھی پی لے گا۔ کبھی پیسا سا نہ ہوگا۔ اس کی وسعت آسمان کے برابر ہے۔ اس میں دو نالیاں حوضِ کوثر سے نکل کر کھلتی ہیں۔

مومن یہ بھی مانے، کہ حساب کا دن حق ہے، جس میں مخلوقات مختلف طریق پر مبتلا ہوگی۔ کسی سے خوب باز پرس ہوگی۔ اور کسی سے چشم پوشی کی جائے گی۔ اور کئی ایک بغیر حساب کے بھی داخلِ جنت ہوں گے۔ اور یہ لوگ خدا کے مقرب ہوں گے۔ خدا کا منشا ہوگا۔ تو انبیاء علیہم السلام سے بھی سوال ہوں گے کہ تبلیغ کیسے کی؟ جی چاہے گا۔ تو کھار اور مکلتین سے بھی سوال ہوں گے کہ تم نے رسول کی تکذیب کیوں کی؟ بدعتی اور مخالفِ سنت

سے سوال ہوگا۔ کہ تم نے سنت طریق کو کیوں چھوڑا اور اہل اسلام سے اعمال کے متعلق سوال ہوگا۔

اور مومن یہ بھی مانے، کہ اہل توحید جہنم سے بدلہ پا کر آخر نجات پائیں گے۔ یہاں تک کہ خدا کے فضل و کرم سے وہاں کوئی اہل توحید نہ رہے گا۔

یہ بھی مانے، کہ انبیاء علیہم السلام شفاعت کریں گے۔ ان کے بعد اہل علم پھر شہادت یافتہ اور سب کے اخیر باقی اہل اسلام اپنی اپنی قدر منزلت کے مطابق شفاعت کریں گے اور جو مومن جہنم میں بغیر شفاعت کے پڑا رہے گا۔ اور اس کا کوئی شفیع نہ ہوگا۔ تو خدا کے اپنے فضل سے جہنم سے نکالا جائے گا۔ اور دوزخ میں کوئی اہل ایمان باقی نہ رہے گا۔ بلکہ جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا۔ وہ بھی جہنم سے نکال دیا جائے گا۔

یہ بھی مانے، کہ صحابہؓ کی فضیلت برحق ہے۔ اور ان میں ترتیب وار فضیلت صدوں ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کے بعد الفضل الناس حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر حضرت فاروقؓ پھر حضرت عثمان غنیؓ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مومن صحابہؓ کے متعلق حسن ظن رکھے اور جس طرح اللہ تعالیٰ اہل حضور علیہ السلام نے ان کی تعریف و توصیف کی ہے۔ یہ بھی ان کی تعریف کرے۔

ان تمام عقائد کے متعلق شاید احادیث نبویؐ وارد ہیں۔ اور اقوالہ صحابہؓ مشابہ ہیں۔ جو شخص ان تمام عقائد کو تسلیم کرے۔ وہ اہل حق اور اہل سنت ہوگا۔ اور اہل بدعت اور گمراہ فرقوں سے الگ سمجھا جائے گا۔ ہم سب کا فرض ہے کہ خدا تعالیٰ سے کمال یقین اور اسلامی استقلال کی درخواست کریں۔

اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے کیونکہ وہی ارحم الراحمین ہے۔ وصلى الله على
 سيدنا محمد وآله واصحابه اجمعين۔ یہاں تک جہیزیں امام صاحب
 کی کتاب قواعد العقائد سے نقل کرنا تھا۔ نقل کر دیا ہے۔

۵۔ اُمتِ محمدیہ کا ۳۷ فرقے بننا

اب مؤلف رسالہ ہذا (عفی عنہ) اپنا مضمون شروع کرتا ہے کہ
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَبِہِ نَسْتَعِیْنُ یَا اللّٰہُ ہمیں جو حق بات ہے
 وہ صحیح دکھا دے اور باطل کو واقعی طور پر باطل دکھا اور ہمیں اس سے کنارہ
 کشی نصیب کر۔ اس کے بعد واضح ہو کہ آج اس اُمتِ محمدیہ میں عقائد کا اختلاف
 بہت ہے۔ اور ان کی رائیں مختلف ہیں۔ اور انہیں باہمی نفرت پیدا ہو چکی
 ہے۔ اور بغض پیدا ہو گیا ہے۔ ہر ایک فرقہ کا یہی دعویٰ ہے کہ میں حق پر ہوں
 اور دوسرے باطل پر ہیں۔ کیوں ایسا نہ ہو جب کہ حضور علیہ السلام نے ہمیں پہلے ہی
 خبر دی ہوئی ہے اور فرمایا ہے کہ میری اُمت ۳۷ فرقے پر تقسیم ہو جائے گی۔۔۔۔۔ اور یہ
 حدیث پورے سوال و جواب کے ساتھ میں نے اپنی کتاب فارسی الاصول
 الاربعۃ فی ترویید الوہابیۃ کے اخیر نقل کر دی ہوئی ہے۔ مگر تا تکمیل
 فائدہ کیلئے اسے یہاں بھی نقل کرتا ہوں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے
 روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمت پر
 وہ انقلاب آئے گا۔ جو بنی اسرائیل پر آیا تھا۔ ہو ہو یہاں تک کہ اگر ان
 میں سے کسی نے اپنی ماں سے بد فعل کی ہوگی، تو میری اُمت میں بھی ایسے لوگ
 ہوں گے، جو ایسا کر گزریں گے۔ اُمت بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں پر منقسم ہو
 گئی تھی۔ اور میری اُمت ۷۲ ملت پر تقسیم ہوگی۔ اور وہ سارے سارے جہنم
 میں جائیں گے۔ مگر ایک فرقہ بھی رہے گا۔ حاضرین نے پوچھا کہ یا رسول اللہ
 وہ کونسا فرقہ ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ ہے جو ان اصولوں پر قائم ہوگا،

کہ جن پر مکیں اور میرے صحابہ قائم ہیں۔ (رواہ الترمذی) امام احمد اور ابو داؤد حضرت معاویہ سے روایت کرتے ہیں کہ ۷۲ فرقے دوزخ میں جائیں گے۔ اور ایک فرقہ جنت میں داخل ہوگا اور اس فرقہ کا نام جماعہ ہے۔ میری امت میں ایسی قومیں بھی پیدا ہوں گی کہ جن کو یہودیوں یا نیاں اس طرح اڑائیں گے جس طرح کہ دیوانہ گتے کی زبردستی ہوتی ہے۔ باولے گتے کے کاٹے ہوئے کا کوئی رنگ و سٹھ نہیں ہوتا کہ جہیں اسکی زبردستی داخل نہ ہو۔

اب اگرچہ حوال کیا جانے کہ جو دوزخی ۷۲ فرقے حدیث میں مذکور ہیں وہ کوئی نیا اسلام پیش کریں گے یا اسی اسلام کے دعویٰ دار ہوں گے؛ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ سب اسلام کے دعویٰ دار ہوں گے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے ان کو امت کے لفظ سے بار بار ذکر کیا ہے مگر جو لوگ نیا مذہب پیش کریں گے یہ وہ ہوں گے جو خدا اور رسول کو نہیں مانیں گے اس لئے وہ امت محمدیہ میں داخل نہیں۔ پہلی قسم کا نام اہل اجابت ہے اور دوسری کا نام اہل دعوت (اس مقام پر ایک اور مشکل سوال پیدا ہوتا ہے کہ ۷۲ فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ کا یہی دعویٰ ہے کہ ہم نجات پانے والے (فرقہ تاجیہ) جماعت ہیں۔ اور ہم ہی ما انا علیہ ولا صحابی کی صیغہ مثال ہیں۔ کیا کوئی یہ عقیدہ ایسا نہاری سے حل کر سکتا ہے؛ اس لئے اس کے جواب میں اہل سنت و الجماعت بے چین ہوئے اور بارگاہ الہی میں گڑبڑ مچا کر انکو قرآن مجید کی یہ آیت نظر آئی، فَلَا وَرَيْكَ لَا يَكُونُ مِثْلُ حَتَّى يُحْكِمَ مَوَدَّ (سورۃ النساء - رکوع ۹۷ - پارہ ۵) کہ بعد ازاں وہ لوگ مومن شمار نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ اپنے باہمی تنازعات میں آپ کو جج نہ مانیں گے۔ اس لئے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لا بخل سوال میں اپنا جج مان

یا اور فیصلہ ہو گیا۔

کیونکہ حدیث مذکور میں حضور علیہ السلام کا یہ لفظ مبارک موجود ہے کہ وہ فرقہ ناجیہ جماعت ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ جماعت کا لفظ فرقہ اہل سنت و الجماعت کے نام کا اصلی جزو ہے۔ جیسا کہ امام احمد اور ابو داؤد کی روایت میں ہے۔ اور جماعت سے مراد ہمیشہ کثرت افراد ہوا کرتے ہیں اور کثرت افراد اہل سنت و الجماعت ہی ہیں جو مذاہب اربعہ کے مشرق و مغرب میں مقلد ہیں۔ اور یہ کثرت گمراہ فرقوں کے مقابلہ پر ایسی روشنی ہے جس کو کوئی دلیل کی ضرورت نہیں۔

(سوال دیگر) ایک گمراہ فرقہ کا قول ہے کہ حدیث میں جماعت کا لفظ آیا ہے اور اسی سے مراد اہل حق ہیں۔ اگرچہ ان کے افراد کی قلت ہو۔ ہم جواباً کہتے ہیں کہ یہ مطلب صحیح نہیں کیونکہ وہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں جے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ میری امت کو یا بالقایہ دیگر امت محمدیہ کو گمراہی پر متفق نہیں کرے گا۔ اور جماعت پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔ جو شخص جماعت سے الگ ہو گا، وہ دوزخ میں پھینکا جائے گا۔ (رواہ الترمذی، ابو داؤد سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں نے خدا سے یہ درخواست کی تھی کہ میری امت گمراہی پر متفق نہ ہو تو خدا نے مجھے یہ عطیہ بخش دیا (رواہ طبرانی) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص جماعت سے الگ ہو کر مرتد ہو جائے تو بے دین کی موت مرے گا۔ (رواہ البخاری)

اگرچہ سوال کیا جائے کہ اگرچہ حدیث میں لفظ جماعت یا لفظ

اجتماع مذکور ہے۔ لیکن احادیث میں یہ تصریح موجود نہیں کہ اس سے مراد کثرت افراد ہیں تو ہم اس کے جواب میں یوں کہیں گے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم کثیر التعداد جماعت کی تابعداری کرو، ورنہ جو الگ ہوگا، داخل جہنم ہوگا۔ (رواہ ابن ماجہ) اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان انسان کے لئے بھیڑیاب ہے۔ جس طرح کہ بھیڑ بکری کے لئے بھیڑیاب ہوتا ہے اور وہ اس بھیڑ بکری کو پکڑ لیتا ہے جو ریڑھے الگ چرتی ہے یا گنارہ کرتی ہے۔ تم ایسی گنارہ کشیوں سے پرہیز رکھو اور عام اہل اسلام اور جماعت کا دامن تمام رکھو۔ (رواہ احمد) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم نے فرمایا ہے کہ جو جماعت سے ایک بالشت بھر بھی الگ ہوگا۔ یوں سمجھو کہ اس نے اسلام کا جو اپنی گردن سے اتار دیا۔ (رواہ احمد والیہ و داؤد) یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں بھی ہے۔ بہر حال السواد الاعظم یا العامة لفظ کثرت افراد کی تصریح کر رہا ہے۔ اور اہل سنت والجماعت کے افراد کی کثرت تمام گمراہ فرقوں کے مقابلہ پر بالکل واضح اور صاف ہے۔ اور ہر ایک کو معلوم ہے اس لئے ثابت ہوا کہ اس مقام پر فرقہ ناجید سے مراد اہل سنت والجماعت ہی ہے جو مشہور مذاہب اربعہ کے متعلق ہیں۔ (الحمد للہ علی ذلک)

۶. قرآن مجید میں حقیقت و مجاز کا بیان

ان معلومات کے بعد واضح رہے کہ عرب و عجم کی تمام زبانوں میں حقیقت و مجاز کا استعمال موجود ہے۔ خواہ وہ اپنی ہوں یا بری، یہاں تک کہ خود کلام الہی میں بھی یہ دونوں موجود ہیں۔ چنانچہ ہم چند آیات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اَوَّلُ الَّذِیْنَ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا (پارہ ۲۴ - سورہ زمر - رکوع ۵) یہ کہ خدا موت کے وقت روح کو اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے پھر فرمایا اَنْلَیْ یَتَوَفَّکُمْ مِّثْلَکَ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ (پارہ ۲۱ - سورۃ السجدہ - رکوع ۱) کہ ملک الموت تمہیں وفات دیتا ہے جو تم پر مسلط کر دیا گیا ہے، پس آؤنی کا تعلق خدا سے حقیقی ہے۔ اور فرشتے سے مجازی۔ دَوْمُ یَحِبُّ لِمَنْ یَّشَاءُ اِنَّا شَآءَ فِیْہِمْ لِمَنْ یَّشَاءُ الذَّکُوْرُ (پارہ ۲۵ - سورۃ شوریٰ - رکوع ۵) خدا ہے چاہتا ہے لڑکیاں بخشے اور جسے چاہتا ہے لڑکے بخشے۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام کا قول یوں منقول ہے۔ قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلٌ وَّبَیْکَ لَا اَهْبَ لَکَ عَلَمًا رَکِیْتُ (پارہ ۱۶ - سورہ مریم رکوع ۲) کہ آپ نے حضرت مریم علیہا السلام کو یوں کہا تھا کہ میں اس لئے تیرے پاس آیا ہوں کہ تمہیں مقدس (رکادوں) - خدا کا حبیب حقیقی ہے، اور جبرائیل کا مجازی۔ سَوْمُ قُلْ یَعْبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ (پارہ ۲۴ - سورۃ الزمر - رکوع ۶) اے میرے بندو! جنہوں نے بے اعتدالی کی ہے۔ رحمت الہی سے ناامید نہ ہو جاؤ اور شیطان سے یوں کہا کہ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْہِمْ سُلْطٰنٌ (پارہ ۱۴ - سورہ حجر - رکوع ۲) یعنی میرے بندوں پر تیرا تسلط نہ ہو گا۔

پھر فرمایا کہ: **وَالْكَحْرُ الْأَيَّامُ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ**
وَإِمَانِكُمْ (پارہ ۱۸ - سورۃ نور - رکوع ۴)

تم اپنے بندوں اور کثیروں کے نکاح کرو یا کرو ۱ پس پہلی دو آیتوں
 میں عبد کا تعلق خدا سے حقیقی ہے اور تیسری آیت میں لوگوں سے تعلق مجازی
 ہے۔ چارم، **يُحْيِي وَيُمِيتُ** (پارہ ۲۷ - سورۃ الحديد - رکوع ۱)

خدا ہی موت و حیات دیتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول یوں
 نقل کیا ہے کہ، **وَالْحَيُّ الْمَوْتُ مِثْلُ الْإِلَهِ** (پارہ ۲ - سورۃ اس عمران
 رکوع ۵) میں بفضلِ خدا مردے زندہ کرتا ہوں، تو زندگی دینے کا تعلق خدا
 سے حقیقی ہے اور حضرت عیسیٰ سے مجازی۔ پنجم، **وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ**
يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (پارہ ۲ - سورۃ بقرہ - رکوع ۲۶)
 خدا جسے چاہے راہِ راست دکھاتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ
وَابْتَكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (پارہ ۲۵ - سورۃ شوریٰ
 رکوع ۵) آپ راہِ راست دکھاتے ہیں، مگر الٰہی ہدایت حقیقی ہے اور ہدایت

نبوی مجازی ہے۔ ششم، **يُدَبِّرُ الْأُمُورَ** (پارہ ۱۱ - سورۃ یونس
 رکوع ۱) خدا کائنات کی تدبیر کرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ، **فَلَمَّا دَبَّرَ قُوَاتِ**
أُمُورِهِ (پارہ ۲۰ - سورۃ النازعات - رکوع ۱) قسم ہے انہی بو تدبیر کرنے
 والے میرے۔ پہلی آیت میں حقیقت ہے اور دوسری میں مجازہ۔
 ہفتم، **قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبُ إِلَّا**
اللَّهُ (پارہ ۲۰ - رکوع ۵) کہو! جو لوگ یا فرشتے،
 آسمان و زمین میں ہیں انہیں سے کوئی بھی غیب نہیں جانتا، لیکن اللہ غیب
 جانتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ کا حال یوں بتایا کہ آپ کہتے تھے کہ

وَأُتِيْتُمْ بِمَآثِلِكُم مِّن ذُرِّ عِشْرَتِكُمْ

(پارہ ۲ - سورۃ آل عمران - رکوع ۵) میں تم کو سب کچھ بتا دوں گا

جو تم کھاتے ہو یا پیے رکھتے ہو اپنے گھروں میں، پھر حضرت یوسفؑ کے متعلق فرمایا کہ آپ دو قبریں دیوں کہتے تھے کہ قَالَ لَا يَأْتِيَكُمَا طَعَامٌ مُّؤَدَّ قَدْرِهِم
الْأَنْبَاءُ تَكْحَاتِ أَذْيَلِيم (پارہ ۱۲ - سورۃ یوسف - رکوع ۵)

نہیں لگے گی، تمہاری خوراک جو تمہیں دی جاتی ہے۔ مگر میں اس کے آنے سے پہلے ہی تمہارے خوابوں کی تعبیر کر دوں گا۔ پہلی آیت میں حقیقت دوسری دو آیتوں میں عجاز ہے۔ شتم: حضرت ابراہیمؑ کا قول یوں نقل کیا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ، وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِين (پارہ ۱۹ - سورۃ

شعرا - رکوع ۵) جب میں بیمار ہوتا ہوں تو خدا ہی مجھے شفا دیتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں کہ وَأُتِيْتُم بِالْحَقِّ وَالْحَقُّ لَا يَزُولُ وَأَحْيِي الْمَوْتِ بِإِذْنِ اللَّهِ (پارہ ۲ - سورۃ آل عمران - رکوع ۵) میں مادیات اور

اندھوں اور کوڑ بیوں کو شفا دیتا ہوں۔ اور خدا کے فضل سے مرعے بھی زندہ کر لیتا ہوں۔ پس پہلی آیت میں حقیقت ہے۔ دوسری میں عجاز نہم فرمایا کہ،

وَهُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ (پارہ ۲۳ - سورۃ یسین - رکوع ۵) خدا ہی پیدا

کرنے والا اور خوب جانتے والا ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول بیان کیا

إِنِّي آخِذٌ بِكُلِّ طَيْرٍ فَانْفُخْ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا

بِإِذْنِ اللَّهِ (پارہ ۲ - سورۃ آل عمران - رکوع ۵) میں مٹی سے

پرندوں کی وضع و شکل بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے فضل سے پرندے بن جاتے ہیں، یہاں بھی پہلے حقیقت ہے پھر عجاز۔ دہم،

طَمَاحًا، إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ (پارہ ۲۴ -

سورۃ ذاریات - رکوع ۳) وہی خدا ہر ایک کا راز قہ ہے۔ اور زبردست قوت کا مالک ہے۔ پھر فرمایا کہ، **وَإِذْ أَخَذَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَآلِیْمَتُنَّی وَالْمَلَائِكَةُ فَادُّوْهُ قَدْ عَلِمْتُمْ** (پارہ ۴ - سورۃ نساء رکوع ۱) جب میراث تقسیم کرنے کے وقت رشتہ دار یتیم اور مسکین حاضر ہوں تو اس میں سے ان کو رزق دو (یہاں بھی پہلے حقیقت ہے اور پھر مجاز ہے بلکہ دہم فرمایا کہ، **إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ** (پارہ ۲۲ - سورۃ مؤمن رکوع ۲) خدا ہی سميع و بصیر ہے۔ پھر فرمایا کہ، **إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا** (پارہ ۲۹ سورۃ دھر - رکوع ۱) ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا، تاکہ اس کو دنیا کے ابتلا میں ڈالیں اس لیے اچھے سمیع و بصیر بنا دیا) پہلا سمیع و بصیر حقیقت ہے دوسرا مجاز۔ الغرض اس قسم کی آیات قرائمہ اور احادیث نبویہ بہت ہیں پس جب حقیقت و مجاز کا استعمال قرآن مجید میں موجود ہے تو اگر اسے خدا کے بندے استعمال کر لیں اپنے محاورات میں تو کون سی قباحت ہوگی۔ یہ حال اس اصول پر کئی ایک مسائل کی بنیاد قائم ہے۔ جو مذاہب اربعہ کے مقلدین اور ولایتیوں کے درمیان زیر بحث اور استدلالی جنگ کا میدان بنے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کے درمیان جو ان کے طریق پر چلتے ہیں۔

علم غیب

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب کا
حاصل ہونا)

چنانچہ ان میں سے ایک علم غیب کا مسند ہے کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم اور خاندانِ اُمت محمدیہ کو حاصل تھا یا نہیں؟
پس جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھانے اور گھروں کے فطیروں
کی خبر غیب دیتے ہیں تو یہ امر کیوں جائز نہ ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور
اُمت محمدیہ کے خاص خاص مقرب بندے بھی غیب کی چند خبریں دیں، یا
دنیا کے مستقبل کے حالات اور برزخ کے حالات بتائیں۔ اگر یہ اعتراض کیا
جائے کہ وہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کی غیب دانی کیوں معجزہ نہیں ہو سکتی۔ اور خواص اُمت کے کلمات
کیوں نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ سوال ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو خود خدا بنا دیتا
تھا۔ تو ہم کہیں گے کہ ہمارے سوال صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تو خدا بنا دیتا تھا۔
اب واضح رہے کہ مسند علم غیب ایک عظیم الشان زیر بحث
مسئلہ ہے جس پر علمائے وقت جھڑتے رہتے ہیں۔ اور فریقین فاضل و فطرط میں پڑ
گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے درمیان سخت اختلاف رونما ہو چکا ہے۔ یہاں
تک کہ وہ ایک دوسرے کو کافر بھی کہہ چکے ہیں۔

کیونکہ ایک فریق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے علم غیب کُل

اور غیبِ جزئی اور غیبِ ماضی و مستقبل ثابت کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو ان سب چیزوں کا علم دیا تھا۔

ایک فریق نے سرے سے علمِ کلی ہی کی نفی کر دی ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کو حاصل نہ تھا۔ کیوں کہ علمِ غیبِ کل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ اور غیبِ جزئی تو کوئی بڑی بات نہیں۔ کیونکہ وہ بطرحِ رسول کو حاصل ہے۔ اس طرح دیوانوں اور چارپایوں کو بھی حاصل ہے۔ (خدا الٰہی عقیدہ سے بچائے) یہ ایسا عقیدہ ہے کہ جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا اظہار ہوتا ہے اور کشاں کشاں بُرے خاتمہ تک پہنچانے والا ہے۔

ایک فریق نے وہ تمام علومِ غیبیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ثابت کئے ہیں۔ جو رسالت اور نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا لُزُشۃ اُمّتوں اور احوالِ برزخ یا قیامت کے خوفِ ناک حالات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے عذاب کے متعلق ہیں۔ اس کے علاوہ علمِ غیب بھی جو عالمِ بالا اور دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ نے آپ کو بتا دیئے ہیں۔ اور یہ عقیدہ افراط و تفریط کے درمیان ہے، اور تقویٰ کے قریب ہے۔

اُش ہمیں معلوم ہو جائے کہ جو لوگ تمام قسم کے علومِ غیبیہ کلِ جزئی ماضی حال اور مستقبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کرتے ہیں وہ ان علوم کے متعلق کیا جواب دیں گے جو شرع میں ممنوع قرار دیئے گئے ہیں۔ مثلاً نجوم، جفر، شعبہ بازی، کہانت، موسیقی، سحر، رمل، یونانی فلسفہ، برہنیت کے متعلق ہے۔ (کیا یہ بھی آپ کو حاصل تھے؟) اور وہ اس کا بھی کیا جواب دیں گے۔ کہ خود خدا نے تعالیٰ نے تصریح سے مانگو فرمایا

ہے کہ، وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ اَد (پارہ ۲۳ - سورۃ یس -

رکوع ۵) ہم نے اپنے رسول کو شعر کا علم نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ علم آپ کے شان کے شایان ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ، وَلَا يَقُولُ كَاهِنٌ د (پارہ

۲۹ - سورۃ الحاقۃ - رکوع ۲) آپ جادوگر نہ تھے اور یہ قرآن کسی کاہن کا قول

نہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ علوم از قسم غیب نہیں بلکہ از قسم ظاہر

ہیں تو ہم جواب میں پوچھیں گے کہ اگر وہ غیب میں داخل نہیں تو کیا وہ ماکان

و مایکون میں بھی داخل ہیں یا نہیں؟ تو اگر جواب دیا جائے کہ ہاں وہ انہیں

داخل ہیں تو ہم کہیں گے کہ اگرچہ وہ داخل ہوں مگر خدا تعالیٰ نے ذات رسالت

کو ان علوم کی آلائش سے صاف کر دیا ہوا ہے کیونکہ آپ رسول اُمّی تھے۔ کفار

جادو کا الزام دیتے تھے۔ مگر خدا نے کہا کہ وہ جادوگر نہیں۔ پھر وہ کہانت کا الزام

دیتے تھے کہ جن نبوت کے ذریعہ آپ خبریں دیتے ہیں۔ لیکن خدا نے کہا

کہ، وَلَا يَقُولُ كَاهِنٌ د (پارہ ۲۹ - سورۃ الحاقۃ - رکوع ۲)

یہ قرآن کسی کاہن کا قول بھی نہیں۔ پھر وہ کہتے تھے کہ کوئی آدمی آپ کو یہ قرآن

سکھاتا ہے تو خدا نے جواب میں کہا کہ، لِسَانَ الَّذِي يُلْجِدُ ذُنَّ اِلَيْهِ اَنْجُمِي

وَهَذَ السَّانُ قَهْرِي مُبِينٌ ۝ (پارہ ۱۷ - سورۃ غل - رکوع ۱۲) جس آدمی کی طرف تعلیم

قرآن کو وہ منسکرتے ہیں وہ تو مجھے ہے عربی زبان مانتا ہی نہیں اور یہ قرآن فصیح عربی میں ہے۔

اگر یہ کہاجائے کہ نہیں یعنی ماکان اور مایکون میں۔ یہ علوم ممنوعہ داخل نہیں تو

ہم پوچھیں گے کہ پھر یہ علوم ممنوعہ کس قسم میں داخل ہوں گے۔

اور منکرین علم غیب ان احادیث کا کیا جواب دیں گے۔ جنہیں

عجی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عذاب قبر، سوال ملائکہ، قبر کی تغلّی کی خبر

دی ہے یا جنہیں آپ نے قبل از وقوع فتوحات اسلامیہ کی خبر دی ہے۔ یا اخیر

زمانہ کی خبریں دی ہیں۔ حالانکہ سب کچھ اسی طرح پیش آیا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا اور اس کا کیا جواب ہو گا جو آپ نے قتل کفار کے مقامات قتل جنگ بدر میں بتائے تھے۔ چنانچہ وہیں وہ قتل ہوئے جہاں آپ نے کہا تھا۔ کیا چارپائے اور دیوانے بھی ایسی خبریں دے سکتے ہیں؟ میں نے خود اس آدمی سے سنا ہے جس کے دل کو خدا نے اندھا کر دیا تھا کہ بتاتا تھا اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمان کی فتح جانتے ہوتے اور بدر میں قتل کفار کی خاص خاص جگہیں جانتے ہوتے تو مسلمانوں کی فتح کے لئے اور قتل کفار کے واسطے مسجد میں پڑ کر دعا نہ کرتے۔ میں کہتا ہوں کہ اس محروم العقل کو یہ معلوم نہیں کہ حضور علیہ السلام کی دعا کرنا مسلمانوں کے حق میں خدا کے سامنے تواضع اور اظہارِ خاکساری تھی۔ کیا آپ کو یہ معلوم نہ تھا کہ آپ صراطِ مستقیم پر قائم ہیں۔ حالانکہ خدا نے بتایا ہوا تھا کہ: **إِنَّكَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ** (پارہ ۲۵۔ سورۃ ذھرف ۱۷۵) آپ صراطِ مستقیم پر ہیں۔ تاہم آپ نماز میں یہ الفاظ دہرایا کرتے تھے کہ **أَعِدْنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ** اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا أَمْرًا أَوْ نَهْيًا (پارہ ۲۹۔ سورۃ جن۔ ۲۷) تمہارا خدا عالم الغیب ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اس رسول کو جسے وہ پسند کرے پھر یہ بھی فرمایا کہ: **وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ** (پارہ ۲۹۔ سورۃ آل عمران۔ ۱۸) خدا تعالیٰ تو تم کو علم غیب پر مطلع کرنے کے قریب بھی نہیں ہے لیکن اپنے رسولوں میں سے جس رسول کو چاہے انتخاب کر لیتا ہے۔ تو کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برگزیدہ اور منتخب شدہ رسول نہ

تھے؟ اگر یوں کہا جائے کہ ان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی آیت کے سثناء میں داخل ہیں۔ کیونکہ آپؐ برگزیدہ اور پشیدہ رسول ہیں جس کا ثبوت اس آیت میں ہے کہ لیکن اپنے رسولوں میں سے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے انتخاب کر لیتا ہے۔ کیونکہ آپؐ ہی رسول مجتبیٰ ہیں۔ اگر اس کا انکار کیا جائے تو پھر ہم پوچھیں گے کہ پھر حضور علیہ السلام کے سوا ان دونوں آیت میں کس رسول مجتبیٰ و مرتضیٰ کا ذکر ہے؟ اس مقام پر تحقیق یہ ہے کہ عالم الغیب کے فقرہ کا استعمال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صحیح ہے۔ باعتبار بعض علم غیب کے (جو منصب رسالت سے وابستہ ہے) اور بعض علم غیب کے (جو منصب رسالت کے دائرہ سے خارج ہے) اعتبار سے صحیح نہیں۔

کیونکہ بعض مغیبات کا خبر دینا آپؐ سے بالکل صحیح اور روشن ہے۔ مثلاً آپؐ کا عالم برزخ کے متعلق قبر کی تنگی اور منکر نکیر کے سوالوں کی خبر دینا اور نیک بندے کی قبر کا بے گزرتک وسیع ہونے اور بدکار پر تنگ ہونے کی خبر دینا یا احوال قیامت میں خدا کے سامنے پیش ہونے، وزن عمل پلصراط، حوض کوثر، شفاعت جنت اور اس کی نعمتیں اور دوزخ اور اس کی آگ کا خبر دینا۔

یا چند معاملات دنیاویہ سے خبر دینا۔ مثلاً بدر میں مشرکین کی قتل گاہیں بتانا، یا حاطب بن بلتعہ کی چٹھی واپس لینا۔ جو اُس نے پوشیدہ طور پر مشرکین کو لکھی تھی۔ یا ابو جہل کو بتانا کہ اس کی مٹی میں کسکریاں ہیں۔ یا شاہ فارس کے قتل کی خبر دینا خاص اسی صبح کو جبکہ مارا گیا تھا۔ یا موت نجاشی شاہ حبشہ کی خبر دینا۔ پھر مدینہ طیبہ میں اس پر غائبانہ جنازہ پڑھنا۔ یا یہ خبر دینا کہ ایک اس کا قدم عابدہ کو کھا گئی ہے۔ جو قریش نے آپؐ کے خلاف لکھ کر بیت اللہ شریف

میں اویزاں کیا تھا۔ یا حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر دینا اور اس کے دور فقیروں کی خبر دینا جنگ تبوک میں حضرت خالد سیف اللہ کے ہاتھ پر فتوحات کا حاصل ہونا۔ یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر قلعہ خیبر کا فتح ہونا یا بکری کے گوشت میں زہر ملائے کی خبر دینا جو یہودیوں نے آپؐ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا تھا۔ یا آپؐ کا خبر دینا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ذالشدین خارجی کو قتل کریں گے۔ یا اخیر زمانہ میں فتنوں کا پیدا ہونا۔

عزیز کیا اسی قسم کی غیبی خبریں کئی ایک اور بھی آپؐ نے دی ہیں جو اس شخص پر مخفی نہیں جو علوم اسلامیہ میں مہارت اور واقفیت رکھتا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ تو خدا کے بتانے سے آپؐ نے بتائی ہیں۔ اس لئے یہ خبریں غیب نہیں بلکہ از قسم وحی ہیں۔ تو سمجھتے ہیں کہ پھر بھی ہمارا دعویٰ ثابت ہوا کہ آپؐ عالم الغیب تھے۔ اور جب یوں کہا جائے کہ خدا تعالیٰ کی اطلاع کے بغیر کشف کے طور پر آپؐ نے یہ خبریں دی تھیں۔ تو اس صورت میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم الغیب کہنا صحیح ہو گا۔ جو مقلد یوں کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام تمام قسم کے غیب کو جانتے تھے۔ یا یوں کہتے ہیں کہ آپؐ کو تمام ماکان مایکون کا علم غیب تھا۔ تو ان کی مراد بھی وحی علوم غیبیہ ہیں۔ جو تبلیغ رسالت اور منکرین کو راجعاً اسب کرنے یا گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے حالات معلوم کرنے کے متعلق ہیں۔ یا ان کی مطیع اُمت کی بغاوت اور منکرین کی ہلاکت کے متعلق ہیں۔ یا جو اُمت محمدیہ کے احوال سے تعلق رکھتے ہیں جو اخیر زمانہ میں پیش آئیں گے۔ یا ان فتنوں کی بابت ہیں جو اُمت محمدیہ پر آنے والے ہیں یا ان تکالیف کے متعلق ہیں جو ان پر آئیں گی۔ یہاں تک کہ اہل جنت جنت میں چلے جائیں گے۔ اور اہل نار دوزخ میں پڑیں گے۔

مگر اُن وہ علوم جو آپ کے شان کے شایان نہیں مثلاً علم شعر،
 جغریہ، سیما، کیمیا وغیرہ اور وہ علوم کہ جن کا تعلق تبیینِ رسالت سے قطعاً
 نہیں۔ مثلاً پہاڑوں کے وزن معلوم کرنا۔ سمندروں کے پانی ماپنے کا علم یا بارش
 کے قطرات کی گنتی یا درختوں کے پتوں کی گنتی۔ اور اسی قسم کے اور علوم کہ جن
 کے نام بھی ہم نہیں جانتے اور نہ ہی ہیں ان کی تشریح معلوم ہے۔ تو یہ سب قسم
 کے علوم خاص خدائے خالق سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ جو ان کو پیدا اور فنا کرتا ہے وہ
 کسی انسان کا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔

اگر کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض غیبیوں کے عالم
 ہیں تو پھر عالم الغیب کے فقرہ کا آپ پر استعمال کرنے کا کیا مطلب ہوگا۔ تو ہم
 جواب دیں گے کہ کسی شخص کو کسی صفت سے موصوف کرنے کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ
 اس صفت کے تمام اقسام بھی اس میں موجود ہوں۔ بلکہ اتنا ضروری ہوتا ہے کہ
 اُس کے بعض حصے اس میں پائے جائیں۔ کیونکہ جب یوں کہنے ہو کہ زید عالم ہے تو اس
 سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ زید تمام قسم کے علوم دنیاوی، حلال حرام وغیرہ سب
 جانتا ہے۔ بلکہ بلا تکلف یہی ذہن میں آتا ہے کہ زید علوم مروجہ کا عالم ہے۔ جو
 روزمرہ استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ کا قول ہے کہ: **إِنَّ إِلَهَ الْإِنْسَانِ**
لَيْسَ طَغٰی **إِنَّ رَبَّاهُ اسْتَغْنٰی** (پارہ ۲۰۔ سورۃ اعراف۔ رکوع ۱)
 (انسان بیشک اپنی حد سے بڑھ جاتا ہے جبکہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے)۔ اس سے
 مراد یہی بعض انسان ہیں ورنہ کسی ایک مالدار اللہ کے بندے ہو گزرے ہیں۔ بلکہ
 مالدار انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی تھے۔

۸۔ ایصالِ ثواب

(حیثیت کو ثواب پہنچانا)

اختلافی مسائل میں سے ایک مسئلہ ایصالِ ثواب کا بھی ہے۔ کہ مَرْدُوس کی رُوحوں کو اپنے اعمال کا ثواب پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟ مخالف کہتے ہیں کہ حرام ہے یا ممنوع ہے یا بے فائدہ ہے۔ جس میں نہ نفع ہے نہ نقصان۔ اس کے متعلق ان کے خیالات مختلف ہیں۔ ہر حال مانعین کی دلیل یہ ہے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ انسان کیلئے اپنی ہی کمائی کام آئے گی۔ اس مسئلہ میں فریقین کے مدارک درمیان بڑا اختلاف ہے۔ جبکہ دلائل کا ذکر کرنا طوالت ہوگا۔ مگر اس رسالہ کے مصنف عہدِ ضعیف نے جب شیخ ابن قیم جوزی حنبلی کا اس مسئلہ میں ایک مضمون دیکھا جس میں انصاف بھرا ہوا تھا۔ تو میں نے وہی اقتباس کر لیا۔ اور یہی پسند کیا کہ شیخ موصوف کے عقیدہ کیساتھ ان کا مقابلہ کروں۔ کیونکہ مسائل میں شیخ موصوف مخالفین کا ایک مسلم بزرگ ہے۔ اُمید ہے کہ وہ بھی حق کی طرف رجوع کر لیں گے۔ چنانچہ میں شیخ صاحب موصوف رحمہ اللہ کا وہ اقتباس پیش کرتا ہوں جو آپ نے اپنی کتاب ”کتاب الروح“ میں درج کیا ہے۔

لکھتے ہیں کہ سولہواں مسئلہ یہ ہے کہ آیا مُردہ کی رُوح زندہ اعمال سے فائدہ اٹھا سکتی ہے یا نہیں؟ جواب یوں ہے کہ فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ دو طریق سے جن پر اہل سنت کے فقہاء، ائمہ حدیث اور مفسرین کا اتفاق ہے۔ پہلا طریق یہ ہے کہ مُردہ اپنی زندگی میں اس عمل کا باعث بنا ہو۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ زندہ مسلمان اس کے حق میں دعا اور استغفار کریں یا صدقہ خیرات کریں یا حج کریں۔ گواہیں یہ اختلاف ہے کہ مُردہ کو ثواب مالِ خرچ کرنے کا

ملے گا یا اصل عمل کا ثواب ہو گا۔ جمہور اہل علم کے نزدیک خود نیک عمل کا ثواب ملتا ہے۔ اور بعض حنفیہ کے نزدیک نیک عمل پر مال خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

پھر ان کا اس میں اختلاف ہے کہ بدنی عبادات مثلاً نماز، روزہ، تلاوت قرآن اور ذکر الہی کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ تو امام احمد بن حنبل اور جمہور سلف کا یہ مذہب ہے کہ یہ بھی پہنچتا ہے اور یہی قول حضرت امام اعظمؒ کے بعض شاگردوں کا بھی ہے۔ اور اس فتوے پر محمد بن یحییٰ کمال کی روایت میں یوں تصریح موجود ہے کہ امام احمدؒ کے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی کوئی نیک عمل کرتا ہے، مثلاً نماز، صدقہ، خیرات یا کوئی اور نیک عمل اور اس کا نصف حصہ اپنے باپ یا اپنی والدہ کے لئے مقرر کرتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟ آپ نے کہا کہ بھے امیر ہے کہ وہ صحیح ہے پھر فرمایا کہ میت کو برہنہ (از قم صدقہ وغیرہ) پہنچتی ہے یہ بھی کہا کہ آیتہ الکرسی تین دفعہ اور قل ہو اللہ احد ایک دفعہ پڑھو اور یوں دعا میں کہو کہ یا اللہ اس کا ثواب اہل مقابر کو پہنچے۔

اس امر کا ثبوت کہ جس نیک کام کا مردہ خود باعث اپنی زندگی میں بن چکے اس سے اس کو فائدہ پہنچتا ہے۔ یہ ہے کہ امام مسلمؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت لکھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ انسان جب مرتا ہے تو اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر تین قسم کے عمل جاری رہتے ہیں۔ اول صدقہ جاریہ، دوم مفید علم، سوم نیک اولاد جو اس کے حق میں دعا گو رہے اور ان اعمال کا استنشا کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ عمل بھی اسی میت کے ہیں کیونکہ وہی ان کا باعث بنا ہے۔ اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک یہ بھی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن کے نیک اعمال میں سے موت کے بعد اس کو یہ

عمل پہنچتے ہیں۔ اول جو اس نے پڑھایا اور پھیلایا۔ دوم نیک اولاد ہے اپنا جائز نہیں بنایا۔ سوم قرآن مجید جو رشتہ میں چھوڑ گیا۔ چہارم مسجد جو اس نے بنائی۔ پنجم سرائے جو مسافروں کے لئے تیار کی۔ ششم نہر جو اس نے کھدائی۔ ہفتم صدقہ جو اپنی زندگی میں بحالت صحت الگ کر چکا ہے۔ یہ موت کے بعد اسے پہنچے گا۔ (مختصر طور پر یہ معنوں ختم ہوا)

اور یہ امر کہ جس چیز کا باعث وہ مردہ نہیں بنا۔ اس کا ثواب یا نفع بھی اسے پہنچتا ہے تو اس کا ثبوت قرآن، حدیث، اجماع اور اصول شرع سے ملتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے کہ، وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ۔ (پارہ ۲۸۔ سورہ حشر۔ رکوع ۱)

”جو مسلمان پہلے مسلمانوں کے بعد دنیا میں آئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں بخش دے ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش، جو ہم سے پہلے ایمان لائے تھے۔“ دیکھو خدا تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی تعریف کی ہے جو پہلے پہلوں کے لئے سفرت مالک تھے جن اور اجماع امت محمدیہ سے ثابت ہے کہ نماز جنازہ میں میت کیلئے دعا کرنے سے اسے فائدہ پہنچتا ہے۔ اور کتب حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھو تو غلوں میں اس کے لئے دعا کرو۔ اور صحیح مسلم میں عوف بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جنازہ پڑھا۔ اس میں آپ نے میت کے لئے جو دعا فرمائی تھی میں نے وہ یاد کر لی۔ چنانچہ آپ فرماتے تھے کہ یا اللہ اسے بخش دے اور اس پر رحم کر اور اسے سلامتی دے۔ اسے تصور معاف کر۔ اپنے پاس عزت و آبرو کے ساتھ اسے فروکش کر اور اپنی ہمارا گاہ میں اس کا داخلہ وسیع کر۔

صدقے کا ثواب پہنچانا

صدقہ کا ثواب پہنچانا اس حدیث سے ثابت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیحین میں مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا اور کہا کہ میری ماں مر گئی ہے اور وصیت نہیں کر سکی۔ مجھے خیال ہے کہ اگر بول سکتی تو صدقہ صدقہ کرتی۔ تو کیا میں اگر صدقہ کروں تو اس کو ثواب ملے گا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ضرور ملے گا۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کی ماں مر گئی اور وہ غیر حاضر تھا۔ چودہ حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا، یا رسول اللہ میری ماں میری غیر حاضری میں مر گئی ہے تو اگر میں اس کی طرف سے وکیل بن کر صدقہ کروں تو کیا اسے کچھ فائدہ ہوگا۔ تو آپ نے فرمایا ہاں فائدہ ہوگا۔ پھر سعد نے کہا کہ آپ گواہ رہیں کہ میرا بارگاہ باغ اس کی طرف سے صدقہ ہے۔ اور یہی حدیث سنن میں ہے اور مسند احمد میں بھی سعد بن عبادہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا کہ میری ماں ام سعد مر گئی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ کس قسم کی خیرات اس کی طرف سے افضل ہوگی۔ تو آپ نے فرمایا کہ بیانی کی خیرات افضل ہے۔ پھر اس نے ایک کنواں بنوایا اور کہا کہ یہ کنواں میری ماں ام سعد کا ہے۔

روزے کا ثواب پہنچانا

ربا روزہ کا ثواب پہنچانا تو اس کے متعلق بھی صحیحین میں روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو مر جائے اور اس کے ذمہ پہرہ روزے باقی ہوں تو اس کا وارث اس کی طرف سے روزے رکھے

اور یہ بھی صحیحین میں ہی روایت ہے کہ ایک آدمی حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری ماں مر گئی ہے۔ اور اسکے ذمہ ایک ماہ کے روزے باقی ہیں تو کیا میں اسکی طرف سے قضا کروں تو آپؐ نے فرمایا ہاں قضا کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ میری ماں مر گئی ہے اور اس کے ذمہ پر نذر کے روزے باقی ہیں تو کیا اس کی طرف سے یہ روزے رکھوں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ تم یہ خیال کرو کہ اگر اس کے ذمہ پر قرضہ ہوتا تو تو اُسے ضرور ادا کرتی، تو کیا وہ اس کی طرف سے ادا ہو جائے یا نہ ہوتا۔ کہنے لگی ہاں وہ تو ادا ہو جاتا۔ تو پھر آپؐ نے فرمایا کہ تو اس کی طرف سے روزے بھی رکھو (یہ لفظ بطور تعلیق کے صرف بخاری میں ہیں)

حج کا ثواب پہنچانا

رہا ثواب حج کا پہنچانا۔ تو اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت صحیحین میں موجود ہے کہ قبیلہ جُمَیْمَہ کی ایک عورت بنی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ میری ماں نے نذر مالی تقیٰ حج کروں گی۔ مگر وہ حج نہیں کر سکی اور مر گئی۔ تو کیا میں اسکی طرف سے حج کروں؟ آپؐ نے فرمایا، اسکی طرف سے حج کر۔ پھر فرمایا کہ تم خود سمجھو کہ اگر تیری ماں پر قرضہ ہوتا تو تو اسکی طرف سے ضرور ادا کرتی۔ اس لئے خدا کا قرضہ بھی ادا کرو۔ کیونکہ اس کا قرضہ ادا کرنا تو سب سے زیادہ ضروری ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تھا اپنے بیٹے کے متعلق کہ وہ مر گیا ہے۔ اور حج نہیں کر سکا۔ تو آپؐ نے فرمایا تو پھر تم اسکی طرف سے حج کرو (انتہی مختصراً)

اس کے بعد شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا اس امر پر اجماع و اتفاق ہے کہ میت کا روضہ بعد میں ادا کرنے سے ماقبہ ہو جاتا ہے اگرچہ ادا کرنے والا کوئی بیگانہ ہو یا اس کے سال منورہ سے جی دار کیا جائے اور یہی قنادہ کی اس کا ثبوت دیتی ہے کہ اس نے ایک میت کی طرف سے دوزخ کی ضمانت دی تھی اور جب ادا کر دیے تو ہندو علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تو اس کے جہنم کو بخندہ کر دے۔

قرآن مجید کا ثواب پہنچانا

اب رہی تلاوت قرآن، تو اس کے متعلق بھی شیخ موصوف نے اپنی تصنیف کتاب الرقص کے آغاز میں مسئلہ ذیل کہہ کر بیان کیا ہے۔ کہ سلف صالحین کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ انہوں نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ دفن کے وقت ان کے پاس قرآن مجید پڑھا جائے۔ شیخ عبدالحق کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے حکم دیا تھا کہ میری قبر کے پاس سورۃ بقرہ پڑھی جائے اور مجوزین میں سے ایک حضرت علی بن عبدالرحمنؓ بھی ہیں اور حضرت احمد بن حنبلؓ جب تک کہ آپ کو کسی صحابی کا عمل معلوم نہ تھا۔ اس کے منکر تھے۔ پھر آپ نے رجوع کر لیا اور جناب خللال اپنی جامع میں یہ عنوان دیکر کہ قبر کے پاس تلاوت قرآن جائز ہے لکھتے ہیں۔ کہ عباس بن محمدؓ دوری نے ہمیں بتایا تھا کہ یحییٰ بن مسیین نے ہمیں بتایا تھا کہ معمر بن سلمیٰ نے کہا ہے کہ عبدالرحمن بن علاء بن صلاح اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ میرے باپ نے کہا تھا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے گد میں رکھتے ہوئے یوں کہو بسم اللہ

علیٰ سنت رسول اللہ پھر محمد پر مڑا لے جانا اور میرے سر ہلے سورہ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات پڑھنا کیونکہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سنا ہوا ہے کہ آپ یوں کہا کرتے تھے۔

اس کے بعد کہ شیخ موصوف عقلی اور نقلی دلائل دے چکے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ تصریحات اس امر پر متفق ہیں کہ جب زندہ میت کی طرف سے کوئی عمل کرتا ہو تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اور عقل کا مقتضی ابھی یہی ہے کہ گو ثواب عمل کرنے والے کا حق ہے۔ مگر جب وہ اپنے مسلم بھائی کو بخش دیتا ہے تو کوئی ممانعت نہیں ہوتی بطرح کہ اس امر کی ممانعت نہیں کہ اس کی زندگی میں اپنا کچھ مال بخش دے یا اس کی موت کے بعد اس کو مال کی ادائیگی سے بری اللہ کر دے۔ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خبردار کر دیا ہے کہ روزے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے حالانکہ وہ روزہ صرف ترک اکل و شرب اور نیت کا نام ہے۔ اور نیت کا تعلق صرف دل سے ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مطلع نہیں ہوتا۔ اور یہ روزہ کوئی محسوس جسم کا عمل نہیں اور آنحضرت علیہ السلام نے یہی بتا دیا ہے کہ قرأت قرآن کا ثواب بھی بطریق ایسے پہنچتا ہے جو زبان کا عمل ہے اور اسے کان سنتے ہیں۔ اور آنکھ دیکھتی ہے۔ اسی وضاحت یہ ہے کہ روزہ صرف نیت ہے۔ اور روزہ شکن امور سے اپنے نفس کو روکنے کا نام ہے۔ اور خدا اس کا ثواب میت کو پہنچا دیتا ہے۔ تو بھلا قرآن قرآن کا ثواب کیوں نہ پہنچے گا۔ جو عمل اور نیت سے مرکب ہے بلکہ اس میں نیت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ پس میت کو روزہ کے ثواب کے پہنچنے میں اس امر کا اشارہ ہے کہ باقی اعمال کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے۔

اب عبادات دو قسم کی ہیں۔ مالی اور بدنی اور تیسری ان کے مرکب

کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے ثواب صدقہ کے پیچھے میں باقی عبادات مالیہ کے پیچھے پر اشارہ کر دیا ہے۔ اور روزہ کے ثواب پیچھے میں آپ نے اشارہ کیا ہے کہ تمام عبادات ہدزیہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ اور آپ نے حج کے ثواب پیچھے کی بھی خبر دی ہے۔ جو عبادات مال اور بدن سے مرکب ہے پس تینوں قسم کا ایصالِ ثواب نص اور قیاس شرعی سے ثابت ہو گیا
وبالله التوفیق۔

پھر شیخ موصوف کہتے ہیں کہ مخالفین کی دلیل یہ ہے کہ،
وَإِنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (پارہ ۲۷ - سورۃ النجم - رکوع ۲)
خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انسان کیلئے وہی ہے جو اس نے کیا۔ "اور یہ بھی فرمایا کہ
لَا تَجْزُونَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (پارہ ۲۳ - سورۃ یحییٰ - رکوع ۳)
"تم کو اسی کا بدلہ ملے گا جو تم دُنیا میں کرتے تھے" پھر فرمایا کہ، لَهَا مَا كَسَبَتْ
وَعَلَيْهَا مَا كَسَبَتْ (پارہ ۳ - سورۃ البقرہ - رکوع ۷) "وہ انسانی
نفس کیلئے وہ نیک عمل کام آئیگا جو اس نے کیا ہو گا۔ اور اس پر اس بد عملی کا بوجھ
پڑیگا جو نفس پروری کیلئے اس نے کماٹی ہوگی۔" اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ انسان
مرتب ہے تو اس کے عمل بند ہو جاتے ہیں۔ سوائے تین صورت کے کہ صدقہ جاریہ ہو
جو اس کے نام پر چلتا رہے۔ یا اولاد نیک ہو جو اسے نیک دُعا دے۔ یا مفید تعلیم
ہو جس سے اس کے بعد لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے وہ
اعمال نافع بتائے ہیں کہ جن میں بحالتِ حیات خود انسان کی اپنی کوشش کا کچھ
دَخل ہو اور جنہیں اس کا کچھ دخل نہیں وہ عمل ضرور بند کیے جائیں گے۔

اس کے بعد شیخ موصوف نے ان کے عقائد کے دلائل بیان کئے
ہیں اور مجوزینِ ایصالِ ثواب پر ان کے اعتراضات لکھے ہیں۔ پھر جو ایصالِ ثواب

کے قائل ہیں انہوں نے مخالفین کو یوں خطاب کیا ہے کہ جو کچھ تم نے بیان کیا ہے اس میں ایک دلیل بھی ایسی نہیں جو ہماری تحقیق کے مخالف ہو۔ جو ہم نے کتاب و سند اور اجماع ملت صالحین اور نتائج قیاس شرعیہ سے پیش کی ہے۔ کیونکہ یہ آیت کہ لیس للانسان الاماسعی مفسرین کے درمیان مختلف فہم ہے کہ اس انسان سے کیا مراد ہے۔

ایک جماعت کا قول ہے کہ اس سے مراد کافر انسان ہے اور مومن انسان کیلئے اسکی اپنی کمائی بھی مفید ہے۔ اور وہ کمائی بھی مفید ہے جو غیر کی طرف سے اس کے لئے کی جائے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

ایک جماعت کے رائے ہے کہ یہ آیت پہلی شریعتوں کی تہذیب دیتی ہے۔ ہمارے شریعت میں تو اپنی اور غیر کی کمائی دونوں ثابت ہیں۔

ایک گروہ کا قول ہے کہ (لام بمعنی علی ہے) اور اس کا یہ معنی ہے کہ انسان کا نقصان اسی کی کمائی سے ہوگا۔ غیر کی بد عملی سے اسے نقصان نہیں پہنچے گا۔

ایک فریق کا خیال ہے کہ اس مقام پر (اوسعی لف) مقدر ہے۔ تو اصل آیت یوں ہوگی کہ ، لیس للانسان الاماسعی او مسعی لف۔

ایک فریق کہتا ہے کہ یہ آیت ہی منسوخ ہے۔ اس آیت سے کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور ان کی اولاد ایمان لانے میں ان کی تابع ہے تو ہم ان کی اولاد کو ان میں ہی شامل کر دیں گے۔ اور یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

ایک جماعت کی رائے ہے کہ اس سے مراد زندہ انسان ہے مردہ

انسان مراد نہیں۔

شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ یہ تمام تاویلیں آیت کے عام لفظ کو بُری طرح بگاڑتی ہیں۔ اسلئے ہم ان کو پسند نہیں کرتے۔ پھر ایک اور باعث کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ یہ جواب ابو الوفا بن عقیل کی طرف سے دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے کہا ہے کہ بہتر جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ انسان اپنے کوشش سے اور اپنی قوم کے نیک سلوک سے دوست پیدا کر لیتا ہے۔ بچے پیدا کرتا ہے، بیوی سے نکاح کرتا ہے۔ غیر سے بھلائی کرتا ہے۔ اور لوگوں سے دوستانہ گانٹتا ہے۔ تو لوگ اس پر رحم کرتے ہیں اور عبادات کا تحفہ دیتے ہیں۔ تو ہر سب اسی کی کوشش کا نتیجہ ہوگا۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ انسان کی بہتر فکر وہ ہے جو اپنی کمائی سے کھانے، اسکی اولاد بھی اس کی کمائی ہے۔ مگر یہ جواب نامکمل ہے اس لئے اسے تکمیل کی ضرورت بھی باقی ہے۔ کیونکہ انسان اپنے ایمان سے اور خدا اور رسول کی اطاعت سے اپنے عمل کے علاوہ اپنے مسلم بھائیوں کے عمل سے بھی فائدہ اٹھانے میں کوشش کرتا ہے۔ جیسا کہ زندگی میں اپنے عمل کے ہوتے ہوئے انکے عمل سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ کیونکہ مسلمان ایک دوسرے کے ایسے عمل سے فائدہ اٹھایا کرتے ہیں۔ جس میں ملکر شریک کار ہوں جسے باجماعت نماز ادا کرنا وغیرہ۔

پھر شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ مومن کا مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہونا اور ان سے برادری کا معاہدہ قائم کرنا ہی ایک بڑا سبب ہے۔ اس امر کا کہ ہر مسلم کو اپنے بھائی کی طرف سے فائدہ پہنچنے زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی۔

پھر شیخ فرماتے ہیں کہ انسان اپنے ایمان کی وجہ سے اپنے حق میں دلائل خیر لینے کا باعث ہوتا ہے۔ تو گویا یہ دعا بھی اسی کی کوشش ہے۔ اسکی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے عبادت کو اس امر کا سبب بنالیا ہے

کہ وہ عابد اپنے مسلم بھائیوں کی دعا اور سعی سے فائدہ اٹھائے تو انسان جب عبادت کرتا ہے تو وہ گویا اس سبب کے پیدا کرنے میں کوشش کرتا ہے جس کے طفیل سے وہ فائدہ اسے پہنچایا جاتا ہے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان بھی دلالت کرتا ہے۔ جو آپ نے عمرو بن عاص کو فرمایا تھا جب کہ اس کا باپ بحالت کفر مر گیا اور اس نے اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا اگر اگر وہ کوئی کافل ہو جاتا تو یہ غلام آزاد کرنا اسے مفید نہ تھا جو اس کی موت کے بعد اس کی طرف سے آزاد کیا گیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر وہ سبب پیدا کرتا تو گویا یوں سمجھا جاتا کہ وہ ایسا کام کرتا تھا جو اس کو غلام آزاد کرنے کا ثواب پہنچا دیتا۔ یہ طریقی جواب بہت لطیف اور خوب ہے۔ اب وہ تمام مضمون مختصر طور پر یہاں ختم ہو گیا ہے۔ جو شیخ ابن قیم جوزی نے اپنی تصنیف کتاب الروح کے سولہویں مسئلہ میں درج کیا ہے۔

اب عبد ضعیف (مؤلف رسالہ نذا) کہتا ہے کہ اگر تم کس سے بچو کہ دو کہ تیرے پاس تو صرف دنیاوی مال دیجی ہے جس کے تم اب مالک ہو۔ مگر کسی نے اگر اس کے بعد اسے بہت مال دیدیا تو اس واقعہ سے تمہارا وہ پہلا کہنا غلط نہ ہو گا کہ تم صرف اتنے مال کے ہی مالک ہو۔ جواب تمہارے پاس ہے۔

مومن اصناف چھ اسل ایسی مائی جی تعید ہے۔ اور وہ مائی جن کی طرف سے اس کے لئے کی جاتی ہیں۔

یہ تمام نعمت کی بات ہے یہ آیت پہلی آیتوں کی خبر دیتی ہے۔

۹ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت و بشریت

متنازع فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ بشریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ہے۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ جو شخص آپ پر بشر کا لفظ استعمال کرتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں حضور علیہ السلام کی توحیدیں ہوتی ہے۔ کیونکہ کافر بتک کرتے ہوئے یہ لفظ کہہ کرتے تھے کہ تم آدمی اور بشر ہی ہو۔

ایک ذوق کا قول ہے کہ آپ ہمارے چچ بنی بشر تھے کیونکہ آپ کو خدا نے حکم دیا ہے کہ آپ کہیں کہ میں تو تمہارے جیسا ہی انسان ہوں۔ اور ہمارے نزدیک آپ کا مرتبہ بڑے بھائی کے برابر ہے۔ مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ کس وجہ سے ان لوگوں نے رسول کو بڑا بھائی بنایا ہے کیونکہ اگر میں بڑائی مراد پٹے زمانہ میں ہونا مراد ہے تو ابولہب کو زیادہ مستحق ہے کہ ان کا بھائی بن جائے۔ کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین پہلے زمانہ میں ان سے متعلق ہو گئی ہے۔ اور اگر بڑائی سے مراد مریسہ کی بڑائی ہے یا قرب الہی کی بڑائی مراد ہے تو ان کو حضور علیہ السلام کوئی جی تناسب حاصل نہیں ہے۔ اور ان کی مراد اسلامی برادری ہے تو پھر بڑا بھائی کہنے سے کچھ فائدہ نہیں کیونکہ تمام مومنین چھوٹے بڑے یکساں بھائی ہیں۔ بہر حال یہ دونوں فریق فساد و تغریط میں پڑے ہوئے ہیں۔

نقبات یہ ہے کہ اس مسئلہ کی تشریح لوگوں کی جانے کہ بشر اولاد آدم علیہ السلام کا نام ہے جس کے معنی انسان ہے۔ خدا نے آدم کو بھی بشر کہا ہے۔ چنانچہ خدا نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں مٹی سے ایک بشر پیدا کروں گا۔ اور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آدم علیہ السلام کی ہی اولاد ہیں۔ اور جب باب بشر ہے تو بیٹا بھی ضرور بشر ہی ہوگا۔ مگر اس کے علاوہ بشر کے اور اوصاف اور خاصیتیں بھی ہیں جن کی وجہ سے وہ قرب الہی تک پہنچتا ہے۔ اگر وہ یہاں پہنچ گیا تو فرشتوں سے بھی افضل ہوگا۔ اور اگر بارگاہ الہی سے دوری کے گڑبڑوں میں گر گیا تو شیطان سے بھی زیادہ رذیل ہوگا۔ تو انبیاء علیہم السلام مہموم اور سہم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خصوصاً خدا کے فضل و کرم سے قرب الہی کے اعلیٰ درجات پہنچ چکے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ تو قاب قوسین اودانے کے مقام تک پہنچے ہوئے ہیں۔ کیونکہ خدا کا فضل آپ پر بے حد تھا یا وجود اس قرب الہی کے پھر بھی آپ بشر اور انسان ہی ہیں۔

اب یہ بحث باقی ہے کہ قرآن شریف میں جو مثلکم آتا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی حقیقت میں اشتراک کی وجہ سے آپ کو دوسروں سے مساوات حاصل ہے۔ مگر بشر کی خصوصیات اور اعلیٰ صفات میں ان سے الگ ہیں اور مساوات فی البشر یہ کیلئے صرف ایک وصف بھی کافی ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ آپ باقی صفات کامل میں بھی دوسروں کے مساوی ہوں یا وہ آپ کے مساوی ہوں جیسا کہ تم یوں کہتے ہو کہ زید شیر ہے تو تمہارا مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ زید شیر کے ساتھ شجاعت میں مساوی اور شریک ہے۔ باقی صفات شیر میں شریک نہیں کیونکہ شیر وحشی جانور ہے۔ اور زید انسان ہے ایک مشہور ضرب المثل میں خوب کہا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر تو ہیں مگر عام بشر کی مانند نہیں بلکہ آپ یا قوت کی طرح ہیں کہ وہ بھی پتھر تو ہوتا ہے مگر اسے یا قوت کہتے ہیں۔ پتھر نہیں کہتے۔

مجھے معلوم نہیں کہ یہ لوگ حضور علیہ السلام سے بشریت کی نفی کیوں

کرتے ہیں حالانکہ بشریت ہی آپ کی رسالت کی تصدیق اور آپ کے معجزات اور فرق عادات کی تصدیق کا سبب ہے۔ کیونکہ انسان سے جب معجزات صادر ہوں یا فرق عادات تو یہی تصدیق رسالت کا سبب بنا کرتے ہیں۔ ورنہ اگر یہ سب کچھ فرشتوں سے صادر ہوں یا جن اور شیطان سے پیدا ہو تو کچھ تعجب نہ ہوگا۔ کیونکہ فرق عادات فرشتوں اور شیاطین سے ایک مسئلہ اور عادی امر ہے۔ بلکہ معجزہ اور فرق عادات کی حقیقت ہی انسان سے تعلق قائم کرنے کے ساتھ پیدا ہوا کرتی ہے کہ دوسرے انسان انبیاء علیہم السلام کے بغیر ایسا کرنے سے عاجز ہوا کرتے ہیں۔ اسی بنا پر معجزہ کو فرق عادات کا نام دیا گیا ہے۔ یعنی معجزہ بنی آدم کی روزمرہ عادت کے خلاف ہوتا ہے۔ ورنہ یہ مطلب نہیں کہ وہ معجزہ فرشتوں یا شیاطین کی طاقت سے بھی باہر ہوتا ہے۔

صوفی یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نور ہیں کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ۔ **قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ** ○
(پارہ ۶ - سورۃ مائدہ ۵۵ - رکوع ۳) اے لوگو! تمہارے پاس اللہ کا نور آیا ہے اور روشن کتاب (قرآن مجید) لایا ہے۔ اس لئے آپ کو بشر کہنا صحیح نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بھی تعلیم ہے کہ درہم را بھایمان ہے کہ آپ نور ہیں مگر نورانیت انسان اور بشری کیلئے تعریف کا سبب بنتی ہے۔ جبکہ وہ کثافت بشری سے نکل کر اصل نورانیت کے بلند مراتب پر ترقی کر جائے اور جب انسان کے بغیر اگر کوئی (مثلاً فرشتہ) نورانیت سے موصون ہو جائے تو اس کی یہ تعریف شمار نہ ہوگی۔ کیونکہ نورانیت اس میں فطرتی ہوتی ہے۔ بعد میں حاصل نہیں ہوتی۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ، **وَالْقَمَرُ نُورًا** (پارہ ۱۱ - سورۃ یونس - رکوع ۱) ”ہم نے چاند کو نور بنایا۔“ تو چاند نے کثیف مادہ سے نورانیت کی طرف

ترقی نہیں کی۔ بلکہ خدا نے اسے منور ہی پیدا کیا ہے۔ تو اسکی نورانیت فطرتی ہوگی۔ جس میں نہ کوئی تعریف نکلتی ہے اور نہ قابلِ تقدیر روح پیدا ہوتی ہے۔ خدا نے فرمایا ہے کہ، **يَكْهُدِي اللَّهُ لِلنُّورِ مَنْ يَشَاءُ** (پارہ ۱۸ سورۃ نور - رکوع ۵) وہ خدا مجھے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ پس ایسی بشریت جو نفسانی کمزوریوں سے صاف ہو ایک بڑی تعریف اور مدح ہے اور بہت بڑا کمال ہے۔ نیچے ملنے لوگوں پر غلبہ آتا ہے کہ وہ کیسے کمال کو نقص جانتے ہیں۔ اور کس طرح مدح کو مذمت سمجھ رہے ہیں۔

۱۰. غیر اللہ کی تعظیم

مختلف فیہ مسائل میں سے غیر اللہ کی تعظیم بھی ہے۔ چند لوگوں کا خیال ہے کہ غیر اللہ کی تعظیم شرک ہے یا کفر ہے یا بدعت ہے۔ اس میں ان کی رائیں مختلف ہیں۔ مؤلف رسالہ ہذا کہتا ہے (خدا اے اس امر کی توفیق دے جسے وہ پسند کرتا ہے) کہ میں اس رسالے سے پہلے کئی سال ایک کتاب تصنیف کر چکا ہوں۔ جس کا نام ہے ”الاصول الاربعہ فی تردید الوہابیہ۔“ جس میں کئی باب ہیں اور ایک خاص باب اس عنوان سے لکھا ہے کہ ”باب اول غیر اللہ کی تعظیم میں“، اور وہ کتاب چھپ کر شائع بھی ہو چکی ہے اور عجات مخالفین کے اہل علم کے پاس پہنچ چکی ہے۔ کہ تاہم مخالف کہتا ہے کہ غیر اللہ میں بت اور صورتیاں بھی داخل ہیں ایسے تم انکی بھی تعظیم کیا کرو۔ حالانکہ یہ صیح ہے۔ کہ بتوں کی تعظیم شرک ہے۔ اور جواب میں میں کہتا ہوں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ جمیع غیر اللہ قابل تعظیم ہیں تاکہ اس میں بت بھی شامل ہوں۔ کیا خدا تعالیٰ نے یوں نہیں کہا کہ، اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِٖ لَکَفَّٰرٌ اَوْ اِنَّ اَسْتَفْعٰی (پارہ ۳ سورۃ اقصیٰ - رکوع ۱) ”انسان سرکشی کرتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ خود مالدار رہے تو کیا انبیاء علیہم السلام نوع انسانی میں داخل نہیں ہیں؟ اگر میں تو ان پر سرکشی کا حکم کیسے صیح ہو گا۔ خدا نے یہ بھی کہا ہے کہ، یٰۤاٰیُّهَا اٰدَمُ خُذْ زَوْجَکَ مِنْکَ مِنْ حٰدِیْۃٍ مِّنْ دُوْنِکَ (پارہ ۸ - سورۃ اعراف - رکوع ۳) دوسرے بنی آدم ہر مسجد اور نماز کے وقت اپنی زینت حاصل کرو تو کیا کفار بنی آدم میں داخل نہیں ہیں؟ اگر میں تو ہر ایک نماز میں انکی زینت کیسے ہوگی۔ غرضیکہ اس قسم کی مثالیں قرآن میں بہت ہیں۔ چنانچہ یہ ایک اور مثال ہے کہ خدا نے

کہا ہے کہ۔ قَتَلَ الْإِنْسَانَ مَا أَكْفَرُهُ (پارہ ۲۰ - سورۃ عبس -

رکوع ۱) ” انسان بڑا کافر ہے، جس سے مراد تمام انسان نہیں۔“ اس کے سوا اور بھی کئی ایک مثالیں ہیں۔ پس اگر عظیم الشان کے عام لفظ میں مبت داخل ہیں۔ تو انبیائے معصوم بھی طغیان میں داخل کرنے پڑیں گے۔ اور کفار بھی ان کے خیال میں داخل صلوٰۃ ہوں گے۔ تو جو جواب تم دو گے وہی جواب ہم دیں گے۔ مگر ہاں بعض غیر اللہ وہ بھی ہیں جن کی تعظیم کا حکم خود خدا نے دیا ہے اس لئے انکی تعظیم واجب ہوئی۔ کیا خدا نے یوں نہیں کہا کہ، ذَالِكَ وَمَنْ يُعَظِّمُ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ۝

(پارہ ۱۴ - سورۃ الحج - رکوع ۴) ” جو خداوندی یادگاروں کی تعظیم کرتا ہے۔ تو یہ تعظیم ان کے دل کے تقویٰ کی علامت ہے۔ کوہ صفا اور کوہ مروہ بھی اللہ کی یادگار ہیں۔ چنانچہ مات لفظوں میں خدا نے کہا ہے کہ بیشک صفا و مروہ اللہ کے شغائر میں سے جو کہ حرم مکہ کے قریب دو چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں۔ یہ بھی کہا ہے کہ بڑے جانور (اونٹ اور گائے) خدا نے تمہارے لئے اپنی یادگار بنائے ہیں۔ مزدلفہ اور منیٰ بھی شغائر اللہ ہیں۔ چنانچہ خدا نے کہا ہے کہ مشر حرام مزدلفہ دمنیٰ میں اللہ کا ذکر کرو۔ اسے یہ تو بتاؤ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجر اسود کو کیا نہیں بوسہ دیا کرتے تھے؟ تو کیا بوسہ دینے میں تعظیم نہیں ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو خود والدین کی تعظیم کا حکم دیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے بھی کہا ہے کہ، فَلَا تَقُلْ لَهُمْ أَوْفٍ فَلَا تَشْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝ (پارہ ۱۵ - سورۃ بنی اسرائیل - رکوع ۲) ” اے انسان تو اپنے ماں باپ کو ان کے جواب میں یہ بھی کہو کہ (اُف) میں تمہارے کہنے سے بیزار ہوں بلکہ ان پر آواز نہ کٹنا اور ان سے بات کہنی ہو تو انسانی شجہ کہنا۔ پھر کہا

کہ، اِنْ شُکِرْتُمْ وَاِیَّوَالِدَیْکُمْ ۔ (پارہ ۲۱ - سورۃ لقمن -

رکوع ۲) اے انسان میرا شکر کر اور اپنے ماں باپ کا بھی شکر یہ ادا کر

اب بتاؤ کہ کیا ان دونوں آیتوں میں والدین کی تعظیم کا حکم نہیں ؟ یہ بھی

کہا کہ، لَا یَسْتَأْذِنُ الْاِلٰھُ الْمُطَهَّرُ مِنْہٗ (پارہ ۲۷ - سورۃ الواقعة - رکوع ۲) قرآن مجید پاک ہی ہاتھ

لگائیں ۔ تو کیا اس میں قرآن کی تعظیم نہیں ؟ پھر کہا کہ، وَلِیْلَہِ الْعِزَّةُ

وَلِیْزُسُوْلِہِ وَیْلَمُوْمِیْنِ (پارہ ۲۸ - سورۃ المنافقون - رکوع ۱)

وہ اللہ اور رسول اور مومنین کیلئے عزت ہے ۔ تو کیا اس آیت میں رسول

اور مومنین کی تعظیم نہیں بتائی گئی ؟ پھر خدا تعالیٰ نے کہا کہ، یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ

اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْہَرُوْا

اِلَیْہِ بِالْقَوْلِ کَجَہْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ

وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (پارہ ۲۶ - سورۃ العنکبوت - رکوع ۱)

وہ نبی کی آواز سے اپنی آوازیں بلند نہ کرو اور کوئی بات نبی سے کہنی ہو تو

گستاخی سے اونچی آواز کیسا تمہمت کہو جس طرح کہ تم ایک دوسرے کو کہہ لیتے

ہو، ورنہ تمہارے نیک عمل سب ضبط ہو جائیں گے اور تمہیں پتہ بھی نہ لگے

گلد ۔ تو کیا اس آیت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم مذکور

نہیں ؟ اس قسم کی اور بھی بہت آیات ہیں ۔ اور احادیث بھی اس معنیوں کے

متعلق بہت ہیں ۔ پس اگر تم مذکور الصبر و غلوف کی تعظیم کا وجوب تسلیم کرتے

ہو تو تمہارے اس قول کا کوئی مطلب نہ ہو گا کہ غیر اللہ کی تعظیم حرام ہوتی ہے

بالفرض اگر تم اسے تسلیم نہیں کرتے تو آپ بھی آیت مذکورہ بالا کا مطلب کجاوی

کہہ دیے ؟ اور اس آیت کا مطلب بھی بتا دیں کہ کیا ہے ۔ وہ آیت یہ ہے کہ،

لِتَوَیَّسُوْا اِلَیْہِ وَرَّسُوْلِہِ وَتَعَزَّیْرُوْہٗ وَتَقُوْوْہٗ (پارہ ۲۶

میں کہا کہ، وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلِالْكُفَّارِ الْمُنْفِقِينَ

(پارہ ۲۸ - سورۃ منافقین - رکوع ۱) مد عزت تو اللہ اور رسول کی ہے اور مومنین بھی ذی عزت ہیں۔ اب دیکھیں کون نکلتا ہے؟ یہج بتاؤ جس کو خدا واجب التعظیم ٹھہرائے اسکی توہین کرنا کس مسلمان کا کام ہے۔

کیا تم مخالفین نے رسول علیہ السلام کا یہ حکم بھی نہیں سنا کہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ لڑائی سے واپس آئے تھے تو آپ نے انصار سے کہا تھا کہ اپنے سردار کا کھڑے ہو کر استقبال کرو تو یہ قیام تعظیماً تھا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ حکم اس لئے تھا کہ آپ بیمار تھے تاکہ گھوڑے سے آپ کو آرام آتا رہے۔ ورنہ تعظیم کے لئے یہ حکم نہ تھا۔ تو ہم کہیں گے کہ اس واقعہ کے متعلق سلسلہ کلام اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر گھوڑے پر اُتارنا مراد ہوتا تو یوں کتنا مناسب تھا کہ اسے فلاں آدمی اٹھو اور ان کو گھوڑے سے اُتار دو۔ یا یوں حکم ہوتا کہ اسے فلاں و فلاں تم دو نو اٹھو اور سعد کو گھوڑے سے اُتار دو۔ مگر یہاں تو جماعت کی مخاطب کیا ہے۔ اور سعد کو سید کہا ہے اور یہ سید کا لفظ سعد رضی اللہ عنہ کے حق میں باوازا بلند پکار ثابت کہ آپ نے جو فرمایا تھا کہ اپنے سردار کیلئے کھڑے ہو جاؤ۔ اس سے مراد حضرت سعد کی تعظیم و توقیر تھی۔ پھر کیا مخالفین کو یہ معلوم نہیں کہ حضور علیہ السلام کے دربار میں صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے متواضع ہو کر بیٹھتے تھے کہ گویا ان کے سر پر پرندت بیٹھے ہوئے ہیں۔ اب خدا مجھے چاہے راہ راست کی ہدایت کرے۔

۱۱۔ مُردوں کا سنا

مختلف فیہ مسائل میں سے سماع موتی کا مسئلہ بھی ہے۔ مخالف کہتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے اور ثبوت یہ دیتے ہیں کہ خدا نے حضور علیہ السلام سے کہا ہے کہ، اِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تَسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ اِذَا قُلُوْا مُذٰبِرَیْنِ ۝ (پارہ ۲۰ - سورۃ نمل - رکوع ۶) » آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور یہ بھی کہا کہ، اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ ۝ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ ۝ (پارہ ۲۲ - سورۃ فاطر - رکوع ۲) » آپ اُن مُردوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں پڑے ہیں۔

اور ہم جواب میں یوں کہتے ہیں کہ مُردوں اور قبر والوں سے مراد یہاں کفار ہیں (جو کہ زندہ و رگور ہیں) اور سننے سے مراد تصدیقی سننا ہے۔ اور اس امر کا ثبوت کہ یہاں سننے سے مراد تصدیقی سننا ہے، یہ ہے کہ کفار کے کالوں میں بہرہین نہ تھا کہ حضور علیہ السلام کا کلام نہ سن سکتے۔ پس وہ اگرچہ بظاہر سننے لگتے۔ لیکن تصدیقی سننے سے محروم تھے۔ اسی محاورہ کے مطابق ہے نمازی کالیوں کو کہنا کہ سمع اللہ لمن حمدہ خدا اسکی بات مان لیتا ہے جو اُس کی تعریف کرتا ہے یہاں بھی تصدیقی سنن مراد ہے۔ اس طرح یہ محاورہ بھی ہے کہ میں نے امیر کو اپنی حاجت روائی کیلئے پکارا مگر اس نے ایک نہ سنی، یعنی میری پکار کو منظور نہیں کیا۔ پس دونوں آیتوں میں مُردوں کے نہ سننے کا ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ انہیں سماع موتی کا ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ یہاں کفار کو مُردوں سے مساوی مانا گیا ہے۔ حالانکہ یہ سنتے تھے اور وہ نہیں سنتے تھے تو یہ مساوات کیسے ہوگی؟ تشبیہ تب ہی صحیح ہوگی کہ دونوں بظاہر سنتے تسلیم کیئے جائیں سو حقیقت یہ ہے کہ بطرح کفار

نظارہ بنتے ہیں تو مُردے بھی بغا برکتے ہیں مگر تصدیقی ستاد و نوں میں نہیں۔
کیونکہ کفارِ انکار قلبی کی وجہ سے اس سے محروم ہیں۔ اور مُردے اس سے اپنے
محروم ہیں کہ وہ جواب نہیں دے سکتے تو گویا وہ بھی نہیں بنتے۔

اب دونو آیت کا مفہوم یوں ہے کہ آپ تو ان کو نہیں سنا سکتے
مگر خدا انکو سنا دیکھا۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ آپ تو اسے ہدایت نہیں دے
سکتے جسے آپ پسند کریں۔ لیکن خدا جسے چاہے ہدایت دے دیتا ہے
اور قرآن مجید میں اسکی تصریح بھی موجود ہے۔ نہ خدا جسے چاہے سنا دیتا ہے
اور آپ اہل قبور کو نہیں سنا سکتے۔

اب ہم اصل مسئلہ سماع موتی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں
کہ سُننا، دیکھنا، بولنا، حملہ کرنا، چلنا اور تمام خواہ اختیاری فعل روحِ انسانی
کافر میں ہیں کہ جب تک انسان زندہ رہے اسکی روح حواس اور بیرونی اعضاء کے
امداد سے وہ فرائض ہم پہنچاتے اور موت کے بعد اس کا ذکر ہے کہ بغیر امداد
حواس اور بیرونی اعضاء کے یہ سب کام کرے۔ اسکی مثال نیند ہے۔ کیونکہ نیند
کی حالت میں تمام حواس معطل ہو جاتے ہیں، خواہ ظاہری ہوں یا باطنی، اور بیرونی
اعضاء بھی کام سے رہ جاتے ہیں۔ مگر روح حسبِ تصور چلتی ہے اور سنتی ہے، دیکھتی ہے، بولتی ہے
بولتی ہے، حملہ کرتی ہے، لذتِ چیزوں سے لذت بھی اٹھاتی ہے اور موزی اشیاء
سے تکلیف بھی پاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ زندہ کی روح بحالتِ نوم اگرچہ
جسم میں مقید ہے۔ سب کچھ کر لیتی ہے تو مُردہ کی روح جو جسمانی قید سے رها
ہو چکی ہے۔ کیسے ان افعال پر قادر نہ ہوگی۔ جن پر کہ بقیدِ جسمانی قادر تھی۔ اسی بنا
پر کہا گیا ہے۔ کہ نیند موت کے برابر ہے۔

اور ارواحِ کفار کے جو دوزخ کے قیر خانوں میں قید ہیں وہ ان

امور کے دریافت کرنے سے محروم رہتے ہیں۔ اور اپنی بد عملی کے بد نتائج
 میں مبتلا رہتے ہیں۔ اسی طرح گنہگاروں کی روہیں بھی جب تک کہ خدا
 ان پر رحم نہیں کرتا۔ اپنے عذاب میں مصروف و مبتلا رہتے ہیں۔

۱۲ بارگاہ الہی میں وسیلہ لینا

متنازع فیہ مسائل میں سے ایک تو سئل کا مسئلہ بھی ہے کہ آیا اللہ کے نیک بندوں کی رگوں خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ خدا کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا جائے؟ اور اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ انسان اپنے خدا کو پکارے اور بارگاہ الہی کے صالح بندوں میں سے کسی ایک کو اپنا وسیلہ بنائے۔ مثلاً یوں کہے کہ یا اللہ میں تیری بارگاہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مہارک کا وسیلہ لاتا ہوں۔ یا یوں کہے کہ قرآن شریف کی روح کا وسیلہ لاتا ہوں۔ یہ صورت بلاشبہ جائز ہے، تمام اُمت محمدیہ کے نزدیک۔ ہاں اسکا وہ مخالف ہے جس کے دل کو خدا نے اندھا کیا ہوا ہے اور اس کے کان اور آنکھ پر مہر کر دی ہے۔ اور ہمیں خدا نے تعالیٰ نے اس آیت سے ہدایت کا راستہ بنا دیا ہے۔ کہ، **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ** **وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ** (پارہ ۶۔ سورۃ مائدہ۔ رکوع ۶)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا کے عذاب سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ نجات طلب کرو“ اس آیت میں وسیلہ طلب کرنے سے پہلے یہ لفظ ہے کہ اللہ کے عذاب سے ڈرو۔ اس میں اشارہ ہے کہ خدا کی مقدس بارگاہ میں وسیلہ طلب کرنے پر شوق دلایا گیا ہے۔ اور اسے واجب قرار دیا گیا ہے اور عباد اللہ کے وسیلہ پیش کرنے سے ادب کی تعلیم دی گئی ہے۔ کیونکہ دنیاوی اکابر سے عموماً اپنی حاجت طلب کرنا یوں ہی ہوتا ہے۔ کہ ہدیہ یا تحفہ کو وسیلہ بنایا جائے یا کسی مقرب کی سفارش پیش کی جائے جسکی عزت اُس بزرگ کے دل میں ہو۔ علیٰ ہذا القیاس عالم الغیب خدا بادشاہ کے دربار

میں بھی اپنی حاجت طلب کرنا سوائے وسیلہ پیش کرنے کے اور کوئی بختہ ذریعہ تلاش کرنے کے بغیر صحیح نہ ہوگا۔ اور اس سخی لاپرواہ خدا کے دربار میں بہترین تحفہ یہی ہے، کہ ارواحِ عباد اللہ صالحین کو وسیلہ بنایا جائے۔

مگر مخالف کہتے ہیں کہ جس وسیلہ پیش کرنے کا حکم قرآن مجید میں ہے اس سے مراد صرف اعمال صالحہ ہی ہیں کسی کی شخصیت و وسیلہ نہیں ہو سکتی اور ثبوت میں وہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ تین آدمی غار میں پھنس گئے تھے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے اپنے اعمالِ حسنہ کو پیش کر کے دعا مانگی تھی۔ اور وہ دعا منظور بھی ہو گئی تھی۔

اور ہم جواباً کہتے ہیں کہ تو سئل جس طرح اعمال سے جائز ہے۔ اسی طرح خدا کے نیک بندوں سے بھی صحیح ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قحط برپا ہوا تھا۔ تو آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے تو سئل کیا تھا۔ درحقیقت کسی نیک بندے کا تو سئل پیش کرنا اس کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اس کے نیک عمل پیش کئے جاتے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہی جسم پیش نہیں کیا جاتا تو اس لحاظ سے شخصی تو سئل بھی تو سئل بالا اعمال بن جاتا ہے۔

۱۳ غائب کو ملانا

دوسری صورت یہ ہے کہ انسان خدا کے نیک بندوں میں سے کسی ایک کی روح کو پکارے اور یوں کہے کہ اے میرے مالک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری فریاد سی فرمائیے یا یوں کہے کہ اے میرے آقا فداں شیخ میری مدد کیجئے۔ تو اسکی تشریح یوں ہے:-

کہ اگر اسکی مراد مجاز ہے یعنی جب وہ نیک بندے کو پکارتا ہے تو مجازی طریق پر پکارتا ہے۔ ورنہ وہ بھی جانتا ہے کہ خدا ہی دینا ہے یا روکتا ہے۔ مگر عبد صالح درمیان میں وسیلہ ہے۔ کیونکہ وہ خدا کی بارگاہ میں مقرب ہے اور میں اس امر کے لائق نہیں کہ خدا سے کوئی راز کی بات کہوں۔ تو یہ صورت جائز ہوگی کیونکہ اعمال کی بنیاد نیت پر ہوتی ہے اور انسان کو نیت کا پھل ملتا ہے۔

خدا دینے والا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کا عطیہ تقسیم کرنے والے ہیں اور یہ دستور چلا آیا ہے کہ فقیر اور محتاج تقسیم کرنے والے کے پاس اپنی ضرورت پیش کیا کرتے ہیں۔ اور اصل سخی کی خدمت میں پیش نہیں کرتے۔

اسی بحث سے ایک اور مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ غائب کو پکارنا صحیح ہے یا ناجائز؟ مخالف کہتے ہیں کہ ناجائز ہے کہ غائب کو پکارا جائے اور جو شخص ایسا عقیدہ رکھتا ہے وہ خدا سے شرک کرتا ہے۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ غائب کے لفظ سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ آیا وہ آدمی جو نظر سے غائب ہو یا دل سے غائب ہو؟ اگر ہم نظر سے غائب مراحیت ہو تو خدا بھی نظر سے غائب

ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ، لَا تَدْرِيكَ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُبْصِرُ
رِيكَ الْاَبْصَارُ (پارہ ۷، سورۃ الغام - رکوع ۱۳) خدا کو نظر دریافت
نہیں کر سکتی اور وہ بندوں کی نظر کو دریافت کر لیتا ہے۔ " تو کسی مخالف کو بھی یہ
کہنا جائز نہ ہو گا کہ وہ کہے " اے اللہ "

اگر مخالفت کی مراد اس لفظ سے وہ غائب ہے جو دل سے پوشیدہ
ہو تو خدا تعالیٰ تو ہر ایک کے قلب میں حاضر ہوتا ہے۔ اور کبھی غائب نہیں
ہوتا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہر ایک مومن کے قلب میں
حاضر ہوتے ہیں اور غائب نہیں ہوتے۔ پس مومن بھی اسی کو پکارا کہ ہے جو
انکے دل میں حاضر ہوتا ہے۔ اور دل کا حاضر نظر کے حاضر سے بالاتر اور
مرغوب تر ہوتا ہے۔ تو کوئی ایسا غائب نہ رہا جس کو پکارنا وہ ناجائز سمجھتے
ہیں۔

اور مخالفین کا یہ کہنا کہ خدا تو مستجاب ہے مگر رسول خدا صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کسی کی پکار نہیں سنتے، قابل غور ہے۔ یہ مقام اس پر بحث
کرنے کا نہیں اور مستند سماع موقی میں اسکی تفصیل گزر بھی چکی ہے۔ اگر باغرض
تسلیم ہی کیا جاوے کہ حضور علیہ السلام کسی کی پکار نہیں سنتے۔ تو ہم پوچھتے ہیں
کہ بتاؤ کہ یا رسول اللہ انھنی کا فقرہ خدا سنتا ہے یا نہیں؟ یہ تو ناممکن ہے کہ
خدا نہ سنے۔ تو جب وہ سنتا ہے کہ اس کا ایک بندہ اس کے حبیب اور
برگزیدہ نبی علیہ السلام کو پکار رہا ہے اور اس کے اس رسول علیہ السلام
سے فریاد کر رہا ہے جو مومنین پر کمال طور پر حمد ہے تو کیا خدا کا فضل یہ
روانہ رکھے گا کہ اسکی مراد پوری کرے۔ پس اگر تم اسے مانتے ہو تو ہمارا مطلب
بھی یہی ہے۔ اگر انکار کرتے ہو تو کوئی صحیح دلیل پیش کرو۔

دیکھو ایک حدیث میں آیا ہے جو امام بخاری نے اپنی کتاب میں درج کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خدا نے کہا ہے کہ جو شخص میرے مقرب دوست سے عداوت کرے، میں اُسے لڑائی کا اعلان کروں گا۔ اور میری بارگاہ میں انسان کے لیے تقرب کا وسیلہ اس سے بڑھ کر نہیں کہ جو میرے فرائض میں ان کو وہ ادا کرے۔ اسی طرح میل بندہ نوافل سے میرا مقرب بنتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو پھر میں خود اس کی قوت سماعت بن جاتا ہوں تو وہ میرے ذریعہ سے سنتا ہے۔ اور اس کی بے عارت بن جاتا ہوں تو وہ مجھ سے دیکھتا ہے۔ بتاؤ خدا کا مہرِ اِمْقَرَب اس کے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کون ہے۔ تو ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام فضل کی سماعت سے سخت ہیں اور اسی کی بے عارت سے دیکھتے ہیں۔ تو پکارنے والا خواہ قریب ہو یا بعید، آپ اس کی پکار کیوں نہیں سنیں گے؟ کیونکہ قریب و بُعد کا فرق تو ہمارے متعلق ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کے متعلق نہیں ہوتا۔ اس کا مشاہدہ وہ شخص کر سکتا ہے جسکی دونوں آنکھوں میں نور الہی کا شرمہ لگا ہوا ہو۔

۱۴۔ صالحین مقبروں کی زیارت

متناسع فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ قبور انبیاء و اولیاء کی زیارت کا بھی ہے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ زیارت قبور کے لئے مفرکنا بدعت ہے۔ اگرچہ وہ قبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی ہو۔ بعض کہتے ہیں وہ شرک ہے بہر حال ان کا آپس میں بڑا اختلاف ہے۔

مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیسے تمام امت محمدیہ کو مشرک بنانے کی جرات کر لیتے ہیں۔ جو عہد رسالت سے لیکر اب تک چل آئی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔ اور اس جماعت پر خدا کا لعنت ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ جو شخص کسی مومن کو یہ لفظ کہے ”اے کافر“ تو ان دونوں میں سے ایک ضرور کفر بیکر مرتاب ہے۔ اس سے قطع نظر کر کے کہ زیارت قبور کے متعلق کئی ایک احادیث وارد ہیں۔ اور اہل علم کے تحقیقی قول بھی موجود ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ کیا خدا نے یوں نہیں کہا کہ، **وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا إِلَهًُا تَوَّابًا ذَهَبًا** (پارہ ۵۔ سورۃ النساء۔ رکوع ۹) ”اے نبی جن لوگوں نے اپنی جان پر ظلم کیا تھا۔ اگرچہ وہ آپ کے پاس آجالتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور آپ خدا کے رسول بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ ضرور خدا کو مہربان اور توبہ قبول کرنے والا پاتے۔“

اب تم بتاؤ کیا اس آیت میں خدا نے رسول کی زندگی کی شرط

لگائی ہے؟ جیسا کہ تم اسکی تاویل کرتے ہو۔ یا یہ شرط لگائی ہے کہ آنے والا دور ہو یا نزدیک جیسا کہ تمہارا خیال ہے۔ نہیں نہیں یہ آیت عام مفہوم رکھتی ہے۔ خواہ زندگی میں کوئی آئے یا آپ کی وفات کے بعد پھر وہ خواہ قریب ہو یا بعید۔

قدیم اور موجودہ امت کا اتفاق ہے کہ زیارتِ قبور جائز ہے۔ اور قبورِ صمداء کی ترغیب دینا بھی جائز ہے۔ کیونکہ پارتھ قبور میں میت کو بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ (کیونکہ اس کے لئے دعائے مغفرت کی جاتی ہے اور قرأتِ قرآن کا ثواب دیا جاتا ہے جس کی روح کو) اور زائر کو بھی فائدہ ہوتا ہے کہ وہ بخشید ہو جاتا ہے۔ اور موت کی تیاری کرتا ہے۔ اور خدا کے نیک بندوں کی روحیں بارگاہِ الہی میں اسکی شفاعت کرتی ہیں۔

مگر جو کچھ جاہل و ہلکا کرکھنے ہیں مثلاً قبر کو سجدہ کرنا یا اس کا طواف کرنا۔ تو وہ بہر حال حرام ہوتا ہے۔ اور اہل علم کا فرض ہے کہ ان کو آدابِ زیارت کی تعلیم دیں اور اصل زیارت سے ممانعت نہ کریں کیا تم نہیں دیکھتے کہ سب نابینا مسجد میں آکر نماز پڑھتا ہے اور قبلہ رخ نہیں ہوتا، تو دیکھنے والے کا کیا یہ فرض ہوتا ہے کہ اسے ہٹائے اور اس کا رخ قبلہ کی طرف کرے یا یہ فرض ہو گا کہ وہاں اسے نماز سے روک دیں؟

مگر ان کی یہ دلیل کہ حدیث میں ہے کہ تین مسجدوں کے بغیر کسی اور مقام کی طرف سواری پر سفر نہ کیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مساجد سے مخصوص ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کی بعض روایات میں مسجد کا صاف لفظ موجود ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ کسی مسجد کی طرف شدہ حال یعنی سفر نہ کیا جائے سوائے تین مساجد کے اور تجارت اور جہاد وغیرہ کی طرف سفر کرنا

خود شرع شریف میں فرمایا گیا ہے۔ جس کا انکار بہت دھرم بیوقوف کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔

دیکھو خدا کا حکم ہے کہ مقام ابراہیم علیہ السلام کو اپنی نماز کی جگہ بناؤ۔ اور مقام ابراہیمؑ صالحین کے آثار میں سے ہے۔ تو جب ایسے آثارِ صالحہ میں نماز ادا کرنے کا حکم ہے تو ان کے مزارات کے متعلق تمہارا ممانعت کے پٹے کیا خیال ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ ان کے مزارات شریف نماز ہی کے قبلہ کی طرف نہ ہوں۔

۱۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شفاعت کرنا

متنازع فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ شفاعت کا بھی ہے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ شفاعت ناممکن ہے۔ کیونکہ شفاعت اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ شافع وجہ ہو۔ یا خدا کا محبوب ہو۔ اور یہ دونوں امر خدا کے یہاں محل ہیں۔ تیسری صورت شفاعت بالاذن کی ہے۔ اور یہ گونفی شفاعت کے برابر ہے۔ کیونکہ یہ نہ تو کبیرہ گناہ کرنے والوں کیسے ہو گئے نہ صغیرہ گناہ پر اصرار کرنے والوں کے لئے ہو گئے۔ اور چند صغیرہ گناہ والوں پر خدا خود ہی رحم کر دے گا جبکہ توبہ اور ندامت ان کے ساتھ ہو گئے۔ تو خدا بھی کسی سبب کے بغیر ان کو معاف نہیں کرے گا۔ لیکن جیسے چاہے معاف کر دے گا اور جیسے چاہے گناہ شفاعت کی اجازت دیگا۔ (ان کا عقیدہ یہاں ختم ہوا)

مگر میں پہلے تو یہ کہتا ہوں کہ وجہ اور محبوب کی شفاعت محال نہیں ہے۔ خدا کے نزدیک بلکہ ضروری ہے۔ (نہ اس لئے کہ خدا تبتلع سے ڈرے گا اور نہ اس لئے کہ خدا اپنے محبوب کو ناراض کرنے سے دردمند ہو گا) بلکہ اس لئے کہ وہ اپنے محبوب اور اپنے خاص بندوں پر خاص فضل و کرم کرے گا۔

دوم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجاہت بارگاہ الہی میں از روئے قرآن ثابت ہے اور آپ کی محبوبیت بھی ثابت ہے۔ ارشاد ہے کہ، **الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَ**
مِنَ الْمُقَرَّبِينَ (پارہ ۲ - سورة الممoran - رکوع ۵) ”و عیسیٰ علیہ السلام

دنیا و آخرت میں وجہ ہیں اور مقربین بارگاہ الہی میں سے ہیں۔“ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے کہ **فَبَيَّرَاهُ اللَّهُ وَمِمَّا قَالُوْا وَكَانَ**

عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا ۝ (پارہ ۲۷ - سورۃ احزاب - رکوع ۹) دو جہ الزام مخالفین دیتے تھے اس سے خدا نے آپ کو بری کر دیا اور آپ خدا کے دربار میں وجیہ تھے۔

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام وجیہ اور مقرب بارگاہِ الہی تھے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مرتبہ کے سب سے بڑھ کر قدر ہوں گے۔ کیونکہ ارشاد ہے کہ: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ** اور یہی ارشاد ہے کہ: **قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ** (سورۃ آل عمران - رکوع ۱۱) ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔“

”اے نبی! تم کو جس اپنا محبوب بنائے گا۔“ خیال کرو کہ حبِ تابع محبوب الہی ہوتا تو مقبوع کیوں محبوب الہی نہ ہو گا۔ حالانکہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرا خطاب نبیوب الہی ہے جو جب آپ کی وجاہت خدا کے دربار میں ثابت ہے اور خدا کی محبت بھی ثابت ہے تو آپ کی شفاعت کے منظور ہونے میں کیا کسر باقی ہے۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مجھے خاص طور پر شفاعت کرنے کا مرتبہ عطا ہوا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: **وَمِنَ الْيُسْرِ فَمَا تَجِدُ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّعْمُودًا** ۝ (پارہ ۱۵ - سورۃ بنی اسرائیل - رکوع ۹)

”عنقریب خدا آپ کو مقامِ محمود پر پہنچا دیگا۔“ اور تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ مقامِ محمود سے مراد شفاعتِ کبریٰ اور عام شفاعت کا مرتبہ

اب رہی شفاعت کی تیسری قسم تو اس کے متعلق ہم یوں کہتے ہیں کہ شفاعت کا مطلب ہی یہ ہے کہ کسی کیلئے استغفار اور طلب مغفرت کی جائے اور یہ ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ نے خود اپنے انبیاء علیہم السلام کو حکم دیا ہوا ہے کہ اپنی امت کیلئے خدا سے مغفرت طلب کریں۔ چنانچہ حسب الحکم خداوندی حضرت ابراہیم علیہ السلام دست بدعا ہو کر فرماتے ہیں کہ:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝

(پارہ ۳ - سورۃ ابراہیم - رکوع ۶) "اے ہمارے رب مجھے بخش میرے والدین کو بخش اور مومنین کو بخش، جس دن کہ حساب کا محکمہ قائم ہوگا۔"

جناب موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

اَنْتَ وَلِيْنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ (پارہ ۶ - سورۃ اعراف - رکوع ۱۹)

"و یا اللہ تو ہی ہمارا سرپرست ہے ہمارے رب سے مغفرت کر اور ہم پر رحم کر اور تو تمام مغفرت کرنے والوں سے بہتر ہے۔" اور مغفرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے کہ:

اِنْ نَعَزْ بِهُمْ فَاَنْتَهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (پارہ ۷ - سورۃ مائدہ - رکوع ۱۶)

"یا اللہ اگر میری امت کو تو عذاب کرے تو کوئی چارہ نہیں، کیونکہ وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو یہ تیری شان کے شایان ہے کیونکہ تو عزت و حاکمیت کا مالک ہے۔" دیموسیتس نے بن زمر نفقوں میں مغفرت طلب کی ہے۔

اور خدا تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دیا ہے کہ:

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ (پارہ ۱۱ - سورۃ توبہ - رکوع ۱۳) "اپنی امت پر نماز پڑھاؤ اور دعائے خیر کرو، کیونکہ آپ کو دعائے خیر ان کیلئے باعث تسکین ہے۔" پس یہی حکم مر اور اذن بالشفاعت

ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ، وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا

تُجِيبًا ۵ (پارہ ۵۰ - سورۃ النساء - رکوع ۹) ”جب انہوں نے اپنی جان

پر ظلم کیا ہے، پس اگر آپ کے پاس آجاتے، اور خدا سے معافی مانگتے اور آپ بھی بحیثیت رسول اللہ ہونے کے ان کے واسطے معافی مانگتے تو وہ ضرور دیکھتے

کہ خدا تعالیٰ بڑا مہربان اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ پس انبیاء علیہم السلام کے

استغفار کا یہی مطلب ہے کہ وہ اپنی اُمت کے لئے شفاعت کریں۔ چنانچہ خدا

نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد کیا ہے کہ، وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ

وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ مَا يَعْلَمُ مُسْتَلْبِكُمْ وَمَثْوَاكُمْ

(پارہ ۲۶ - سورۃ محمد - رکوع ۲) ”اپنی کوتاہیوں کی پردہ پوشی طلب

کرد اور زن و مرد اہل ایمان کے لئے مغفرت طلب کرو۔ کیونکہ خدا کو تمہارا

حرکات و سکناات سے خوب واقف ہے۔ پس امر بالا استغفار ہی اذن بالشفاعت

ہے اور اذن بھی بڑے زور کا ہے۔ کیونکہ امر کرنا اذن دینے سے زیادہ زور دار

ہوتا ہے صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی دیکھو کہ خدا نے ان مسلمانوں کی تعریف بھی

کی ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ،

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا

الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ (پارہ ۲۸ - سورۃ حشر - رکوع ۱)

”جو اہل ایمان بعد میں آئے وہ کہتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں بخش اور ہمارے ان بھائیوں

کی بھی بخش دے جو ہم پہلے ایمان لائے ہیں“ پھر ارشاد ہے کہ، وَلَسَوْفَ

يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (پارہ ۳۰ - سورۃ القصص - رکوع ۱)

”سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں

گئے اور خدا کا وعدہ سچا ہے۔ " اس میں خلافت و وعدہ کی گنجائش نہیں کیونکہ اس نے خود کہا ہے کہ ، وَلَئِنْ يَخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ كَذِبًا (پارہ ۱۰ - سورۃ الحج - رکوع ۶) وہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافتی نہیں کرتا۔ اسی وعدہ پر مجروحہ کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے (فعل ماضی کے لفظوں میں) کہ مجھے شفاعت کا عطیہ دیا جا چکا ہے۔

ہم پھر پوچھتے ہیں کہ اہل ایمان کیا تم اپنی مائیں یہ دعائیں کیا کرتے کہ یا اللہ مجھے بخش۔ میرے والدین کو بخش اور قیامت کے دن مسلمانوں کو بھی بخش۔ اب بتاؤ تم کو دعائے مغفرت کیلئے کس نے اجازت دی ہے کہ تم والدین اور مسلمانوں کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہو یا یہ ہیں بتاؤ کہ کیا یہی طلب مغفرت شفاعت نہیں ہے ؟ پس اگر تم یوں کہو کہ خدا نے ہمیں اجازت بخشی ہے تو ہم پوچھیں گے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمکو تو شفاعت کی اجازت ہو تاکہ تم اہل ایمان کے لئے طلب مغفرت کرو اور خدا نے اپنے حبیب اور برگزیدہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اجازت نہ بخشی ؟ اگر تمہارے پاس کچھ صداقت ہے تو اس دعویٰ کی کوئی دلیل پیش کرو۔

اب رہا ان یہ یہ قول کہ اہل قیامت کیلئے شفاعت نہ ہوگی اور نہ ان کیلئے جو گناہ صغیرہ پر مردہ مست کرتے ہیں۔ پس کہتے ہیں کہ یہ قول خدا پر پتہ ان اور نہ بردستی کا حکم ہے۔ کیا خدا نے یوں نہیں کہا کہ بیشک خدا تمام گناہ بخشیتا ہے مگر خدا تعالیٰ یہ گناہ نہیں بخشے گا کہ اس کا کسی کو شریک بنایا جائے اور اس کے بغیر سے چاہے۔ جو گناہ بھی ہوں سب بخش دے گا۔ اور شفاعت گنہگار قیامت کے دن دہی ہوگی جو تمام مخلوق کی ہوگی۔ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ، عَسَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّخْمُودًا (پارہ ۱۵)

سورۃ بنی اسرائیل۔ رکوع ۹) اے نبی خدا تعالیٰ عنقریب آپ کو مقام محمود پر پہنچا دے گا، اور یہ شفاعت کبریٰ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی حصہ میں ہے۔ اور آپ سے قطع ہے۔

پس مخالفین کا یہ کلام کہ اذن الہی کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کریگا اور ان کا اس آیت سے دلیل پکڑنا کہ، مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (پارہ ۲۔ سورۃ البقرہ۔ رکوع ۲۴) "کون وہ ہے کہ بلا اجازت خداوندی اللہ کے پاس کہی کی سفارش کرے۔" یہ دونو امر صحیح ہیں اور انہیں ذرا بھرتک نہیں۔ مگر یہ یاد رہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذن بالشفاعۃ ہو چکا ہوا ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر امر بالشفاعۃ بھی نافذ ہو چکا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ، وَهَلْ عَلَيْهِمْ اِنْ صَلَوَتِكَ سَكُنْ لَهُمْ (پارہ ۱۱۔ سورۃ توبہ۔ رکوع ۱۲) "آپ ان کے لئے دعائے خیر کریں کیونکہ آپ کی دعائے خیر ان کے واسطے تسکین ہے" چنانچہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ، وَمُتَغْفِرٌ لِّذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (پارہ ۲۶۔ سورۃ محمد۔ رکوع ۲۷) "زن و مرد اہل ایمان کیلئے آپ دعائے مغفرت کریں" اسی وجہ سے آپ نے فرمایا ہے کہ مجھے شفاعت کبریٰ کا عطیہ دیا جا چکا ہے اور اس حدیث کے باقی اجزاء یہ ہیں کہ مجھے پانچ عیسیٰ عطا ہوئے ہیں اور مجھ سے پہلے یہ کسی کو نہیں دیئے

۱۷ میلاد النبی

مجالس میلاد اگرچہ موجودہ شکل میں خیر القرون کے وقت موجود نہ تھیں۔ مگر اسمیں شک نہیں کہ یہ فعل مستحسن ہے اور تمام اہل اسلام کا مشرق و مغرب میں معمول یہ ہے سوائے فرقہ نجدیہ خیر مقلدین کے اور یہ اصول ہے کہ جس امر مباح کو مسلمان مستحسن سمجھیں وہ خدا کے نزدیک بھی مستحسن قرار پاتا ہے۔ اور مجالس میلاد میں ہی ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مع ذکر کیجاتی ہے یا آپ کی مدح میں شعر پڑھے جاتے ہیں اور مدحیہ اشعار کا پڑھنا سنت صحابہؓ ہے بلکہ سنت نبویؐ ہے۔ کیونکہ روایات سے ثابت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسان بن ثابتؓ سے اپنے اشعار مدحیہ سناتے تھے اور کعب بن زہیر اور سواد بن قارب وغیرہ سے بھی آپ نے اشعار مدحیہ سُننے تھے۔ اس لئے جو شخص یہ کہتا ہے کہ ذکر میلاد اور مدحیہ اشعار کا پڑھنا ممنوع یا برا ہے اور فعل یہود ہے وہ شخص خود برا ہے اور رائدہ درگاہ نبویؐ ہے۔

اب مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس وجہ سے ذکر میلاد کو منع کرتے ہیں اور مجالس میلاد کے علاوہ دیگر نوپیدا امور کو کیوں منع نہیں کرتے مثلاً مسافر خانوں کا بنانا یا مساجد کا سجانا، بیل بوٹے سے یا قرآن مجید کو سنہری حروف سے لکھنا یا علوم عقلیہ مروجہ کا تعلیم دینا یا عربی علوم کی اعظم مثلاً صرف نحو، فلسفہ، ریاضی وغیرہ یا زمانہ حال کے مروجہ لباس کا استعمال

یا مختلف قسم کے کھانے تناول کرنا جب اصل میں یہ سب مباح ہیں وہ ان پر
 کوئی اعتراض نہیں کرتے مگر ذکر سیلا جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
 ولادت کا تذکرہ ہوتا ہے یا معجزات اور خرق عادات بیان ہوتے ہیں۔ جو
 آپ کی ولادت کے وقت رونما ہوئے تھے تو اسے حرام یا بدعت کہتے ہیں
 شاید ممانعت کی وجہ صرف یہی معلوم ہوگی کہ ہم حضور علیہ السلام سے انہما عمت
 کرتے ہیں اور بس خوب!۔

۱۸. نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال آنا

ان مسائل میں سے حضور علیہ السلام کے تصور کا بھی مسئلہ ہے۔ جو نماز میں بڑا اختیار آجاتا ہے۔ مخالفین کے سام کا قول ہے کہ نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال آجانا نمازی کے اپنے جانوروں کے خیال سے بھی بدتر ہے۔ اور اس مقام پر اس نے ایک بدترین جانور کا ذکر کیا ہے۔ مگر میں جرأت نہیں کر سکتا کہ اس بُرے جانور کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک کے مقابلہ پر ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذکر کروں۔ اور ان کا یہ عقیدہ بدترین ہی عقائد میں سے ہے۔ ایسے عقائد سے خدا بچائے۔ تعجب ہے کہ پھر یہ لوگ حضور علیہ السلام کو فخرِ عالم بھی کہتے ہیں۔ مگر تم سوچو کہ جب فخرِ عالم کا ان کے نزدیک یہ حال ہے تو دوسرے انبیاء و صالحین کا کیا حال ہوگا۔ جو آپ سے بارگاہِ الہی میں کم درجہ پر مقرب ہیں۔ وہ بتائیں کہ جب وہ نمازیں و اتخذ اللہ ابراہیم خلیلاً پڑھتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تصور کو کیا سمجھتے ہیں۔ یا جب کَلَّمَ اللہُ موسیٰ تکلیماً پڑھتے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تصور کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ آیت پڑھتے ہیں کہ کَانَ وَجِہَا فِی الدُّنْیَا وَ الْآخِرَةِ وَ مِنْ الْمُقَرَّبِیْنَ تو آپ کے تصور کو کس قدر قیمت میں جاتے ہیں۔ ان پر ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ سارا قرآن تو حضور علیہ السلام کی تعریف سے پڑھے۔ اور آپ کی تعریف بیان کرتا ہے۔ یا آپ کا قرب الہی اور محبت الہی ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ یَاٰیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اطِیْعُوْا اللہَ وَ اطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَ اُوْبِیْ الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ مَنْ یُطِیْعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اطَاعَ اللہَ۔

(پارہ ۵۔ سورۃ النساء۔ رکوع ۸ اور ۱۱) ”تم اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، جو رسول کی اطاعت کرتا ہے وہی خدا کی اطاعت کرتا ہے۔“ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (پارہ ۲۔ سورۃ آل عمران۔ رکوع ۴) ”اے آپ کہیں کہ اگر تم خدا سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری تابعداری کرو۔“ اور یہ بھی فرمایا کہ، ”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اَنْتَا اَرْسَلْنَاكَ شَٰهِيْدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيْرًا وَرَاْعِيًّا اِلَى اللّٰهِ يَٰۤاٰدُ نِيْهِ وَسِيْرًا جَٰمِعِيْرًا“ (پارہ ۲۲۔ سورۃ احزاب۔ رکوع ۶) ”وہ کہ نبی ہم نے آپ کو اُمت کا نگرانِ حال اور مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے اور خدا کی طرف ہدایت والا اور روشن چراغ بنا کر مبعوث کیا ہے۔“ یہ بھی فرمایا کہ، ”لَا تَجْعَلُوْا دِمَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاۤءِ بَعْضِكُمْ بِبَعْضًا“ (پارہ ۱۸۔ سورۃ النور۔ رکوع ۹) ”تم رسول علیہ السلام کا بھلاو اپنے باہمی ایک دوسرے کے بلاؤں کی مانند نہ بناؤ۔“ یہ بھی فرمایا کہ، ”لِيَتَّقُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِيْهِ وَتَعَزَّوْا مِنْهُ وَقُوْا يَوْمَهُ“ (پارہ ۲۶۔ سورۃ الفتح۔ رکوع ۱) ”تم رسول کی عزت و توقیر کرو۔“ قراب و ملاپ پیارہ کیا کرے اور کیسے لکے تصور کو رد کر سکتا ہے۔ سخت افسوس ہے کہ خدا تو تعریف کرے اور قوم آپ کی یہ عزت کرتی ہے۔ کہ نماز میں آپ کے تصور کو بھی ممنوع قرار دیتی ہے اور جانوروں کے تصور سے بھی بدتر جانتی ہے۔ پھر اس قوم نے اپنا نام کیا رکھا ہے؟ اہل حدیث! اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

جب حضور علیہ السلام کے خلاف اور شدید حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وصال ہوا تھا تو مشرک کہتے تھے کہ آپ ابتر ہو گئے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ نے جلیب

دیا کہ، اِنَّ شَيْئًا مِّنْكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ (پارہ ۲۰ - سورۃ الکوث -
 رکوع ۱) در آپ بہتر نہیں بلکہ آپ کے دشمن بہتر ہیں ۔ " ایک دفعہ آپ
 نے مکہ معظمہ پر تبلیغ اسلام کے لئے قریش کو بھلیا تھا ۔ تو ابولہب نے اخیر وعظ پر کیا
 تھا کہ کیا اسی کام کے لئے آپ نے ہمیں دعوت دی تھی ۔ خدا کرے تم جلد
 تباہ ہو جاؤ ۔ اس پر خدا ناراض ہوا اور اپنے حبیب کی طرف سے جواب دیا
 کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہوں گے ۔ اور وہ خود بھی تباہ ہو گا ۔ اب نصف
 پسند طبائع سے مجھے اُمید ہے کہ وہ خود قول و ماہیہ اور قول ابولہب کا باہمی
 موازنہ کریں گے ۔ (قول و ماہیہ یہ ہے کہ غازی میں حضور علیہ السلام کا تصور
 قلائد بدترین جانوروں کے تصور سے بھی بُرا ہے ۔ اور ابولہب کا قول یہ ہے کہ
 اے نبیؐ تو تباہ ہو جائے) اور بتائیں گے کہ کس کا قول زیادہ بُرا اور بدنام
 کرنے والا ہے ، اور کس کا نہیں ؟ ابولہب کو تو یہ سزا مل چکی کہ تَبَّالْکَ
 کہہ کر جہنمی ہو گیا ۔ مگر ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جنہوں نے ایسے گند لفظ کہے
 ہیں ۔ السومس وحی بند ہو چکی ہے ورنہ ابھی فیصلہ ہو جاتا ۔ اب ان کا منہ
 کون توڑ سکتا ہے ؟

یہ لوگ یوں بھی کہتے ہیں کہ غازی کو تشہد میں یوں کہنا جائز
 نہیں کہ اے نبیؐ آپ پر سلام ہو اور آپ پر خدا کی رحمت اور برکت نازل ہو ۔
 بلکہ یوں غائب سمجھ کر کہے کہ ہمارے نبیؐ پر سلام ہو ۔ تاکہ حاضری اور خطاب کے
 لفظ سے منع جائے ۔ کیونکہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کی روح مبارک حاضری
 جاتی ہے ۔ ہم کہتے ہیں کہ جب غائب کا لفظ اختیار کرنے سے آپ کی حاضری نہ
 ہوگی تو بتاؤ کہ جب غازی السلام علی النبیؐ کہے گا اور غائبانہ لفظ سے آپ
 پر سلام و درود بھیجے گا تو آپ کا تصور پیرائے عا ؛ تعلیم و توفیر کی صورت

میں یا معاذ اللہ امانت و تحفیر کی شکل میں۔ پس اگر وہ تصور عزت و توقیر کے ساتھ ہو گا تو وہ ایموں کا اصول ٹوٹ جائے گا کہ جو شروع مسئلہ میں مقرر کیا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام کا تصور مفسدِ صلوٰۃ ہے اور گدھے کے تصور سے نماز نہیں ٹوٹی اور اگر معاذ اللہ تحفیر کے ساتھ اسے تصور کریں تو اسلام کی بنیاد ہی کوہ اکھاڑیں گے۔ خدا تعالیٰ مناسب راستہ کی ہمیں ہدایت کرے۔

۱۹ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک کیساتھ تعظیمی لفظ ”سیدنا“ بڑھانا

ان مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے پہلے سیدنا کا لفظ بڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ مخالفین کہتے ہیں کہ یہ زیادتی بدعت ہے۔ خیر القرون کے وقت نہ تھی۔ مگر میں کہنا ہوں کہ زمانہ تبدیلی سے محاورات بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ تم خود بتاؤ کہ کیا مولانا اور شیخ محمد ہاشمی وغیرہ کے لفظ خیر القرون میں منہل تھے؟ حالانکہ موجودہ وقت میں جس ذی علم کو موت نام سے پکارا جائے اور کوئی تعظیمی لفظ نہ بڑھایا جائے تو آنجناب ناک چڑھاتے ہیں اور اسے اپنی ہتک عزت جانتے ہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑھ کر عزت و توقیر کے حقدار ہیں۔

کیا خدا تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حق میں یوں نہیں فرمایا کہ آپ سیدنا کا نام تھے اور نبی صالح تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں بنی آدم کا سید ہوں۔ اور سید کا لفظ مولیٰ کے معنی میں ہے بلکہ مولیٰ کا لفظ سید سے بھی اعلیٰ ہے۔ کیونکہ سید کا لفظ خدا پر استعمال نہیں ہوتا۔ اور مولیٰ کا لفظ خدا پر بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ، يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا (پارہ ۲۶۔ سورۃ محمد۔ رکوع ۱) ”اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے مالک اور مولیٰ ہیں جو ایمان لائے ہیں۔“ اور یہ بھی ارشاد ہے کہ، يَنْعَمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ الْمَصْنُوعُ (پارہ ۹۔ سورۃ الانفال۔ رکوع ۵) ”خدا تعالیٰ بہترین مالک اور بہترین مددگار ہیں۔“

۲۰. خدا تعالیٰ سے کسی مخلوق کو شریک کرنا

ان مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے۔ کہ آیا فعلِ خداوندی میں غیر اللہ کو شریک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً کسی داتے کو یوں کہنا کہ یہ اللہ کی اور تمہاری مہربانی ہے۔ یا یوں کہنا کہ یہ چیز مجھے خدا اور خدا کے رسولؐ نے دی ہے تو جواب یوں ہے کہ ایسے محاورے میں مجازی طریق استعمال ہوتا ہے اور حقیقی بھی تو فقرہ مذکور صحیح معنی ہوا کہ اصل طور پر تو خدا نے دیا ہے۔ مگر بظاہر تم نے دیا ہے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی سوال پوچھتے تھے اور صحابی جواب دینا گستاخی سمجھتے تھے تو یوں کہتے تھے کہ اس کا جواب خدا اور خدا کا رسولؐ بہتر جانتا ہے۔ اور اپنے اس جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا تعالیٰ کے علم میں شریک کر دیتے تھے۔ اور اس جوابی فقرہ کو کسی نے برا نہیں منایا۔ دیکھئے ارشاد ہے کہ، **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَأَيْنَاهُ** (پارہ ۱۰۔ سورۃ التوبہ۔ رکوع ۱) **وَاللَّهُ وَالرَّسُولُ** کے رسولؐ کی مشرکین سے بیزاری ہے، یہ بھی فرمایا کہ، **وَاللَّهُ وَالرَّسُولُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضَوْهُ**۔ (پارہ ۱۰۔ سورۃ توبہ۔ رکوع ۸) **وَرَأَى كَوْنَهُ** تھا کہ خدا اور خدا کا رسولؐ کو راضی کرتے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ، **وَمَنْ يَطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا** (پارہ ۲۲۔ سورۃ احزاب۔ رکوع ۹) **وَرَأَى كَوْنَهُ** اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے۔ وہ بڑی کامیابی پائے گا۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ، **وَمَا نَقُومُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُ اللَّهُ وَالرَّسُولُ مِنْ فَضْلِهِ** (پارہ ۱۰۔ سورۃ توبہ۔ رکوع ۱۰) **مَنْ خَالَفَهُ** کیا یہی برا منلتے ہیں کہ اللہ نے اور اللہ کے رسولؐ نے اہل مدینہ اور مہاجرین کو غنی کر دیا ہے۔ اس قسم کی آیات اور بھی بہت ہیں۔ مگر خلاصہ جواب یہ ہے کہ ایسے اشتراکی لفظوں سے عوام کو پھنسا چاہیے۔ کیونکہ وہ حقیقت و مجاز میں امتیاز نہیں کرتے۔

۲۱. معاذ اللہ، خدا کا جھوٹ بولنا

ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ معاذ اللہ کیا خدا جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟ مخالف کہتے ہیں کہ غدا بی وعدہ میں جھوٹ بول سکتا ہے۔ اور اس مسئلہ کا نام کبختوں نے امکان کذب رکھا ہوا ہے۔

ہم جواب دیتے ہیں کہ ذات خداوندی کی طرف جھوٹ کو منسوب کرنا ہی ناجائز ہے اور وعدہ کر کے سزا دینا سے وعدہ خلافی نہیں کہتے بلکہ وہ اصول اختیار کی تبدیلی ہے۔ اور اس خود اختیاری تبدیلی کو کوئی جھوٹ نہیں کہتا۔ کیونکہ جھوٹ ایک لعنت ہے جس سے انسان جی نفرت کرتے ہیں۔ تو بھلا خدا تعالیٰ اس سے نفرت کیوں نہ کرے؟ پس قیامت کے دن عذاب کے بجائے مغفرت کا استعمال کرنا خدا کا رحم اور مہربانی ہوگی۔ اسے کذب نہیں کہنا جائے گا۔ ارشاد ہے کہ، **بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحَيِّطُوا بِهِ**۔

(پارہ ۱۱۔ سورۃ یونس۔ رکوع ۴) ”کافر اس قرآن کی تکذیب کرتے ہیں جسے وہ خود دھوکے میں نہیں سمجھ سکے۔“ پھر ارشاد ہے کہ، **وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ** (پارہ ۲۔ سورۃ آل عمران۔ رکوع ۸) ”وہ جانتے ہیں اور جان بوجھ کر خدا پر افترا کرتے ہیں۔“ ان آیات میں جھوٹ کی لعنت کو خدا تعالیٰ نے کفار کے حق میں ذکر فرمایا ہے کہ یہ انکی عادت ہے۔ پس مسلمان کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ اس لعنت کو اپنے خدا سے نسبت دے۔

تجربہ شاہد ہے کہ جرائم پیشہ گرفتاروں کو حاکم جس دامن یا قتل کی سزا دیتے ہیں۔ مگر کسی خاص مقرب کی سفارش سے یا اپنی خاص رحم دلی سے

یا رحم کی درخواست پر انکو معافی بھی دیتے ہیں۔ اور رہا کر دیتے ہیں۔ تو کیا اس صورت میں ان حکام کو وعدہ خلاف یا جھوٹا کہا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ اس معافی کا نام ذاتی اختیار کا استعمال ہے۔ اور احسان اور کمال مہر ملی ہے۔ پس حاصل یہ ہے کہ جو شخص اس رحیمانہ سلوک خداوندی کو جو وہ اپنے مجرم بندوں کے حق میں استعمال کرے گا کذب کا عنوان دیتا ہے وہ خود خدا پر جھوٹ باندھتا ہے۔ تم خود ہی بتاؤ کہ اس شخص سے بڑھکر اور کون زیادہ ظالم ہو سکتا ہے۔ جو خدا پر جھوٹ باندھے یا اسکی آیات کی تکذیب کرے۔ اصل بات یہ ہے کہ ظالموں کی نجات نہ ہوگی۔ مخالف اعتراض کیا کرتے ہیں کہ کیا خدا ہر شے پر قادر نہیں تو جھوٹ پر کیوں قادر نہ ہوگا (جواب) بیشک صمیم ہے لیکن قدرت البینا ممکن اور نامناستہ کی طرف متوجہ نہیں ہوا کرتی چنانچہ خدا اپنا شریک پیدا نہیں کرتا۔ اور اسی طرح کے اور تا واجب کام نہیں کرتا۔ پس ایسے بکواسات سے انسان کا فرض ہے کہ اپنی زبان کو روک رکھے۔

۳۳ اولیاء اللہ سے امداد طلب کرنا

ان مسائل میں سے استمداد کا مسئلہ بھی ہے جو صلحاء کی مددوں سے
کی جاتی ہے۔ مخالف کہتے ہیں کہ ناجائز ہے اور جو اللہ کے سوا کسی اور
سے استمداد کرتا ہے وہ خدا سے شرک کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس پر دو طریق
سے بحث ہے۔ اول صرف استمداد اور عدم استمداد پر، دوم استمداد سے نفع یا
عدم نفع پر۔

نفس استمداد یعنی کسی سے امداد طلب کرنا۔ تو وہ زندوں سے عام طور
پر حاصل کی جاتی ہے۔ اور کثیر الاستعمال اور مشہور ہے۔ چنانچہ مخالفت بھی دنیاوی
امور میں (مثلاً تعمیر مدارس، تبلیغ مذہب و بابیہ، اور اجرائے اخبارات)
میں لگے ہمارے پائی جاتی ہے۔ تو اگر صرف استمداد ہر طرح سے شرک ہے۔
تو مخالفت خود شرک کر رہے ہیں۔ اور نفس استمداد میں ہمارے اور ان کے درمیان
کوئی فرق نہیں۔ مگر یہ فرق ضرور ہے کہ وہ فانی جمعوں سے استمداد کرتے ہیں۔
اور ہم پاک اور غیر فانی ارواح سے استمداد کرتے ہیں۔

اب بلا استمداد سے نفع، تو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اگر چاہے تو ہم کو
ارواح طیبہ نفع دیتے ہیں۔ اور انکو فانی ضم نفع دیتے ہیں۔ اگر وہ نہ چاہے تو نہ ہم
کو ان سے نفع ہوتا ہے نہ ان کو۔ اب اگر وہ یوں کہیں کہ ہم تو زندوں کے بدن سے
استمداد کرتے ہیں اور تم مردوں کی مددوں سے استمداد کرتے ہو۔ تو ہم کہتے ہیں
کہ دراصل تم بھی ارواح سے ہی استمداد کرتے ہو۔ کیونکہ درحقیقت دینے والا
روکنے والا روح ہی ہے۔ خواہ وہ جسم سے خارج ہو یا اس میں داخل ہو۔

۲۲ بچوں کے نام انبیاء و اولیائے منسوب کرنا

ان مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ کچھ لوگ اپنے بچوں کے نام انبیاء علیہم السلام یا صلحاء اُمت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ مگر مخالف اس شخص ہر شرک کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ جو اپنے بچوں کا نام نبی بخش، رسول بخش یا غلام محمد یا غلام صدیق یا اسی قبم کا اور نام رکھے۔ کیونکہ اولاد دینے والا خدا ہی ہے۔ اور یہ جائز نہ ہو گا کہ اپنے بچے کا نام غیر اللہ کی طرف منسوب ہو اور غلام عبد کے معنی میں ہے۔ اور ہم سب عباد اللہ ہیں۔ اور عبدیت کی نسبت غیر اللہ کی طرف جائز نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ مان لیا کہ معنی اور مانع در حقیقت خدا ہی ہے مگر تاہم عطیہ کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا مجازی طور پر جائز ہوتا ہے۔ کیوں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آ کر یوں کہا تھا کہ تم کو پار سا رک کا بچہ آجائے آیا ہوں۔ اور یوں نہیں کہا تھا کہ اسے آیا ہوں کہ خدا تم کو رک کا بچہ گا۔ جو پار سا ہو گا۔ تو جب جبرائیل علیہ السلام رک کا دے سکتے ہیں تو کیوں حضور علیہ السلام کی طرف یہ عطیہ منسوب کرنا مجازی طور پر جائز نہ ہو گا اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قول جبرائیلؑ تو امر الہی تھا اور تم کو کس نے حکم دیا ہے۔ تو جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بیشک قول جبرائیلؑ امر الہی تھا۔ مگر اس نے ہمارے واسطے جواز کا دروازہ کھول دیا ہے۔

اب رہا لفظ غلام تو اگرچہ وہ فارسی محاورہ میں عبد کے معنی میں ہے۔ تاہم اپنے بچوں کو صلحاء کے غلاموں کے ساتھ تشبیہ دینے میں کیا قیامت ہوگی۔ اور صلحا سے مراد نبی ہیں۔ اور صحابہؓ اور ائمہؓ کے نیک بندے

کیا ان کے پاس خود اپنے غلام نہ ہوتے تھے یا انکو اپنی ذات سے منسوب نہ کرتے تھے؟ اور یوں نہ کہتے تھے کہ اے میرے بندے اور اے میری لونڈی کیا خدا نے ان کو ان سے منسوب نہیں کیا کہ، **وَلَقَدْ جَاءُوكُم بِالْحَقِّ** (پارہ ۱۸ سورۃ النور - رکوع ۴) "تم اپنے بندوں اور اپنی بندگیوں کے نکاح کر دیا کرو۔" پس حقیقت میں تمام غلام اور تمام آزاد لوگ خدا کے بندے ہیں اور غلام اپنے آقاؤں کے مجازی طور پر بندے ہیں۔ چنانچہ ہم نے اس کتاب کے آغاز میں قرآن مجید میں کثرت کیساتھ حقیقت و مجاز کا استعمال ذکر کر دیا ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس لوگوں کے بچے حقیقت میں اللہ کے بندے ہیں اور صلوات اللہ علیہ کے مجازی طور پر بندے ہیں یہ ہماری تحریر کا آخری مقام ہے جس کا ہم نے ارادہ کیا تھا۔

یا اللہ میں نے اس تحریر سے اور کوئی ارادہ نہیں کیا سوائے اسکے کہ مسلمانوں کے عقائد کجروی اور گمراہی سے درست ہوں۔ پس اگر یہ تحریر تیری طرف سے ہے تو میں تیرا احسان اور فضل ماننا ہوں۔ تو اس سے اپنے مومن بندوں کو نفع دے اور اگر یہ تحریر غلط ہے تو یہ غلطی میرے نفس سے سرزد ہوئی ہے۔ اس لیے میں تجھ سے معافی اور مغفرت طلب کرتا ہوں یا اللہ میں حق بات کو حق کر کے دکھلا اور حق کی اتباع ہماری قسمت میں کر اور باطل کو ہمیں بھی باطل کر دکھلا اور ہمیں اس سے پرہیز بخش۔ **وَصَلَّى اللہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَیْرِ خَلْقِهِ وَنُورِ عَرْشِهِ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ وَاتِّبَاعِهِ وَصَالِحِیْ اُمَّتِهِ اَجْمَعِیْنَ۔ اٰمِیْن** یا رب العلمین۔

تحریر رسالہ ہذا بروز دوشنبہ ۱۷ محرم الحرام ۱۳۶۰ھ بمطابق
ختم ہوئی۔

اللَّهُمَّ تَنْجِينَا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلَواتُكَ
تَنْجِينَا بِهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَهْوَالِ وَالْأَفَاتِ
وَتَقْضِي لَنَا بِهَا جَمِيعَ الْحَاجَّاتِ وَتُطَهِّرُنَا
بِهَا مِنْ جَمِيعِ السَّيِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِهَا عِنْدَكَ
أَعْلَى الدَّرَجَاتِ وَتَبْلِغُنَا بِهَا أَقْصَى الْغَايَاتِ
مِنْ جَمِيعِ الْخَيْرَاتِ فِي الْحَيَاةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ
إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

